سلسلہ دعوات عبدیت کے

حصہ اول کا ساتواں اور آٹھواں وعظ

الاخلاص (حصہ اول و دوم)

منجملہ ارشادات

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ عالم ربانی مولانا و مقتدانا حاجی حافظ
قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی حنفی قدس سرہ

بہ تصحیح

(محمد سراج الحق مچھلی شہری)

ناشر:- مکتبہ جامی و اخوانہ حسن منزل الہ آباد ۳

باہتمام

عبدالمجید اسرار کریمی پریس الہ آباد میں چھپا

فہرست مضامین الاخلاص حصہ اول و دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مواعظ اشرفیہ دعوات عبدیت حصہ اول کا ساتواں وعظ

الاخلاص حصہ اول

این	متیٰ	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
تھانہ بھون جامع مسجد	ماہ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ		بیٹھ کر	اخلاص	مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی		

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وبارک وسلم اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم واموالکم ولکن ینظر الیٰ نیاتکم واعمالکم۔ ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کیطرف نظر نہیں فرماتے لیکن تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر فرماتے ہیں اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شے کی تعیین فرمائی ہے جسپر حق تعالےٰ کی نظر ہو گو مخلوق کی نظر نہیں اور اس شے کی بھی تعیین فرمادی جسپر حق تعالیٰ کی نظر نہیں گو مخلوق کی نظر ہے اور صور و اموال کی تخصیص کی وجہ حالانکہ غیر منظور دوسری اشیاء دنیویہ بھی ہیں یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی امور کو بیان فرماتے ہیں کہ جن کی ضرورت ہے اور جن میں ابتلا ہے اور جو غیر ضروری اُمور ہیں یا جسمیں ابتلا کبھی نہیں ہوتا انکو بیان نہیں فرماتے ہیں کیونکہ ایسے امور کے بیان کی ضرورت ہی نہیں چنانچہ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ گوبر مت کھایا کرو پیشاب مت پیا کرو اسلئے کہ اکلاً وشرباً ان چیزوں کا استعمال معتاد (معمول) نہیں ہے۔ البتہ اسمیں ابتلاء کی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ ثوب یا بدن نجاست میں آلودہ ہو جائے سو اسکو تصریحاً بیان فرمادیا اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ

ہمارے حضورؐ طبیب ہیں آپ کے تمام خطابات بعینہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ ایک طبیب کی مخاطبت مریض کے ساتھ طبیب امراض جسمانی کا علاج کرتا ہے حضورؐ امراض روحانی کے ازالہ کیلئے تشریف لائے ہیں پس طبیب مریض کو ان ہی اشیاء سے منع کرتا ہے کہ جس میں ابتلا ہو مثلاً انبہ کی فصل میں انبہ سے منع کرے کہ انبہ مت کھانا اور اگر فصل نہو گی منع کرنیکی ضرورت ہی نہیں اسوقت منع کرنا عبث ہے بلکہ ایسے طبیب کی مثال اس بقّال کی سی ہو جاویگی کہ بقال کی تھال گم ہوگئی تھی تمام جگہ تلاش کی یہانتک کہ گھڑے میں بھی تلاش کی کسی نے پوچھا کہ گھڑے میں تھالی کیسے آسکتی ہے بقال نے کہا کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر احتیاطًا دیکھ لینا اچھّا ہے۔ اس تقریر سے ایک نہایت کارآمد اور قابل قدر مضمون معلوم ہوا وہ یہ کہ قرآن وحدیث کا اصلی مذاق یہ ہے کہ اُسمیں انھیں اشیاء سے بحث ہے کہ جسمیں ابتلا واقع ہے جیسا طبیب کا معاملہ مریض کے ساتھ اور یہ مذاق نہیں کہ تمام شکوک محتملہ بعیدہ کو دفع کیا کرے جیسا مدرس کا خطاب طلبہ سے ہوتا ہے کہ عبارت میں جسقدر شکوک ہوتے ہیں سب کو دفع کرتا ہے حتیٰ کہ ایسے شکوک کو بھی دفع کرتا ہے کہ انکی طرف ذہن بھی بمشکل منتقل ہوتا ہے غرض یہ کہ قرآن وحدیث بمنزلہ کتب طب کے ہیں اور حضورؐ بمنزلہ طبیب کے نہ کہ قرآن وحدیث بمنزلہ کتب درسیہ کے ہوں اور حضورؐ بمنزلۂ مدرس کے اسی لئے جو لوگ منطق و فلسفہ پہلے پڑھتے ہیں اور انکا مذاق فلسفی ہو جاتا ہے وہ قرآن وحدیث کو بھی اسی نظر سے دیکھتے ہیں پھر اسمیں اشکال پیدا کرتے ہیں اور سمجھنے میں ان کو دقت واقع ہوتی ہے کیونکہ مذاق انکا بدلجاتا ہے جیسے کہ ایک مولوی صاحب معقول پڑھ کر ایک محدث کیخدمت میں پڑھنے گئے ترمذی میں حدیث آئی لا یقبل اللہ صلوٰۃ بغیر طہور (اللہ تعالیٰ بغیر پاکی کے کوئی نماز نہیں قبول کرتا) تو ان مولوی صاحب نے شبہ کیا کہ یہ حدیث تو اسکو بھی عام ہے کہ اگر نماز پڑھ کر کوئی وضو کرے تو چاہئے کہ وہ قبول ہو تو وجہ اس لغو شبہ کی یہی ہے کہ ان کا مذاق فلسفہ و منطق سے بدلگیا تھا احتمالات عقلیہ کو گو وہ شرعًا محتمل نہوں حدیث و قرآن میں بھی جاری کرتے تھے حالانکہ شارع کے احکام میں عادات و واقعات پر زیادہ نظر ہے اسی لئے شریعت کو وہ زیادہ سمجھے گا جو عادات ناس (لوگ) سے واقفیت رکھتا ہوگا اسلئے کہ شارع نے ہمارے ان ہی امراض کا جس میں ابتلا ہے علاج بیان فرمایا ہے چنانچہ اس حدیث شریف میں بھی ایسے ہی ایک مرض کا جسمیں ابتلاء تھا علاج فرمایا ہے اور وہ مرض یہ ہے کہ مخلوق نے مطمح نظر (سامنے) ایک ایسی شے کو بنا رکھا ہے جسپر خالق کی بالکل نظر نہیں اور مطروح النظر (نظر انداز) ایسی شے کو بنا رکھا ہے جسپر خالق کی نظر ہے اسلئے ضروری ہوا کہ اس غلطی پر متنبہ کیا جاوے تاکہ علاج کیا جاوے اور اسوقت اس حدیث کے ہمارے اختیار کرنیکی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مرض میں عام طور سے ابتلا ہے اور حضورؐ نے جو اپنے زمانہ خیریت نشانہ میں یہ مضمون فرمایا حالانکہ اُسوقت غالب خیر تھی تو آیندہ کے لحاظ سے فرمایا کیونکہ حضورؐ تو قیامت تک کیلئے سب کے طبیب ہیں اور حضورؐ کے احکام تمام واقعات شدنی کے متعلق ہیں چنانچہ قیامت تک کوئی مرض کوئی عمل کوئی قول کوئی فعل ایسا نہیں ہوگا جسکے متعلق شریعت میں

حکم موجود نہو کیونکہ حضورؐ کی شان تو یہ ہے کہ فرماتے ہیں اُوتیتُ علمَ الاوّلین والاٰخرین (مجھے تمام انبیا کے علوم دیئے گئے ہیں) اور فرماتے ہیں ادّبنی ربی فاحسن تادیبی وعلّمنی ربی فاحسن تعلیمی (مجھے میرے رب نے ادب اور سلیقہ سکھایا اور اچھا سلیقہ سکھایا اور میرے رب نے مجھے علم سکھایا اور بہترین علم سکھایا) اور یہاں سے شریعت کی وسعت معلوم ہوگئی ہوگی کہ شریعت اسلامی کے سوا کوئی قانون ایسا نہیں کہ جسمیں تمام واقعات جو قیامت تک ہونیوالے ہیں سب کا حکم موجود ہو۔ اگر کوئی کہے کہ حضورؐ نے بھی بعض مسائل کے متعلق لا ادری فرمایا ہے تو جواب یہ ہے کہ لاادری اُسوقت تک تھا کہ جب تک شریعت کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور جب آیۂ الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی اور شریعت من کل الوجوہ ہر طرح مکمل ہوگئی پھر کوئی حکم غیر مبیّن گول مول نہیں رہا سب مبین ہوگئے اور مبین ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالتخصیص ہر ہر واقعہ کا حکم بیان فرمایا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ قواعد کلیہ ظاہر ایسے فرمائے جن سے تمام واقعات کے احکام مستنبط ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ نے بدن گودنے والے پر جو لعنت فرمائی تو ایک عورت نے دریافت کیا کہ قرآن میں تو یہ حکم ہی نہیں حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تو قرآن پڑھتی تو اسمیں یہ حکم پاتی کیا تونے قرآن میں پڑھا نہیں ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیں (یعنی کسی شے کا امر فرمادیں) اسکو لو اور جس سے منع فرمادیں اس سے باز رہو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن گودنے والے پر لعنت فرمائی ہے پس یہ حکم بھی من اللہ ہوا اسیطرح سے آجکل جو اخباروں میں لکھا جاتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنے کا حکم قرآن میں ہے نہیں یہ مولویوں کی گھڑت ہے یہاں سے اسکا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ اگرچہ قرآن میں تصریحاً نہیں ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو امر فرمایا ہے اور حضورؐ کا فرمایا ہوا اللہ تعالیٰ ہی کا فرمایا ہوا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اسکا کہا ہوا اللہ کا کہا ہوا ہے اگرچہ بظاہر اللہ کے ایک بندے کا کہا ہوا ہے)

آپ کی شان یہ ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　　انچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

(میں آئینہ کے پیچھے کا طوطی ہوں آئینہ والے کا عکس۔ اب جو وہ استاد حقیقی ازلی فرماتا ہے کہ کہو وہی میں کہتا ہوں)

پس اس قاعدے سے ڈاڑھی رکھنے کا حکم بھی قرآن میں مذکور ہوگیا اور یہاں سے ایک اور ضروری بات ثابت ہوئی وہ یہ کہ جب معلوم ہوگیا کہ حضورؐ کا فرمایا ہوا گویا اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے تو اب ہمکو اپنی حالت میں غور کرنا چاہیئے کہ ہمارا معاملہ حق تعالیٰ کے احکام اوامر کیسا تھ کیسا ہے سو تجربہ سے ایک قاعدہ دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے آپس میں اوامر کیساتھ دو قسم کا برتاؤ ہے ایک یہ کہ بعض حاکم آمر کا حکم امر سنکر تو ہم اُسمیں حجت اور حیلہ نکال سکتے ہیں اور

بعض مرتبہ صاف انکار بھی کردیتے ہیں اور بعض آمر کا امر سنکر ہم سرنگوں اور دم بخود رہ جاتے ہیں اور بجز تسلیم و
(حکم دینے والا)
انقیاد کے کچھ چارہ نہیں ہوتا اور ہماری یہ حالت ہوتی ہے جیسا کہ شیخ نظامی نے کہا ہے ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو

(زبان سے تیرے خدا ہونے کا اقرار کرنا چاہئے اور تیرے احکام کی علت نہ تلاش کرنا چاہئے)

پس غور کرنا چاہئے کہ اس فرق کی وجہ کیا ہے کہ کسی آمر کیساتھ یہ برتاؤ اور کسی کیساتھ دوسرا تو مابہ الفرق (فرق کی وجہ) تامل کے بعد عظمت اور عدم عظمت معلوم ہوتا ہے جس آمر کی ہمارے قلب میں عظمت ہوتی ہے اُسکے امر کیسامنے ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اسمیں کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا اور جس کے قلب میں عظمت نہیں ہوتی اُسکی کچھ پروا نہیں کرتے عظمت وہ شے ہے کہ زبان پر مہر لگا دیتی ہے بلکہ زبان تو کیا قلب میں بھی اُس امر کے متعلق شبہ تک نہیں آتا بلکہ اگر دوسرا کچھ وسوسہ پیش کرتا ہے تو اسکو یوں دفع کیا جاتا ہے کہ میاں یہ ایک جلیل القدر کا امر ہے ضرور ضرور اسمیں کچھ مصلحت ہوگی ورنہ ایسا شخص اسکا امر ہی کیوں کرتا گو وہ مصلحت ہماری سمجھ میں نہ آوے مثلاً اسٹامپ قیمتی عہ کا خرید کر اگر ہم ڈاکخانہ میں چھوڑدیں اور اسپر ڈاک کا ٹکٹ نہ لگاویں تو وہ بیرنگ ہوجاویگا اور عہ کا لفافہ بیرنگ نہیں ہوتا حالانکہ اسکی قیمت اور اسکی قیمت میں ۱۵، کا فرق ہے سو ظاہر یہ بالکل خلاف قیاس ہے مگر اسکے متعلق کبھی سوال تک نہیں کیا جاتا اسکی کیا وجہ ہے بلکہ بلا وسوسہ و شبہ تسلیم کر لیتے ہیں اور شب و روز اسپر عملدرآمد ہے کبھی کسی کی زبان پر تو کیا دل میں بھی شبہ نہیں ہوتا علیٰ ہذا دیگر احکام حکام میں بھی کبھی کوئی شک و اعتراض نہیں کرتا اور اگر بالفرض کوئی اسکے ایسے کے متعلق شبہ بھی کسی کیسامنے پیش کرے تو اول تو اُس شخص کو پاگل اور احمق سمجھیں گے کہ کیا سوال کرتا ہے اور پھر جواب بھی دیں گے کہ قانون اسیطرح ہے اور اس مجیب کو اس جواب غیر مفصل و غیر مدلل کی وجہ سے یوں نہ کہیں گے کہ جواب سے عاجز ہے بلکہ ہر شخص سمجھے گا کہ جواب کافی ہوگیا تو اس تسلیم و انقیاد کی وجہ بجز عظمت کے کیا ہے چونکہ حکام کی عظمت قلوب میں راسخ و متمکن ہوتی ہے اسنے زبان بلکہ قلب پر مہر لگادی اور سوائے آرے بلی (بجا درست) نعم کے لا اور نہ زبان پر نہیں آسکتا جب یہ قاعدہ ثابت ہوگیا تو اب میں سخت حیرت اور تعجب میں ہوں کہ اللہ اکبر ایک ادنیٰ حاکم مجازی فانی عاجز اپنے ہمجنس کے حکم کیسامنے ایسے مجبور اور جامد محض بنجاتے ہیں اور احکم الحاکمین حاکم حقیقی قادر مطلق (کہ اگر چاہے تو ایک دم میں سب کو برباد و ہلاک کر دے) اسکے امر میں لم اور علت اور حکمت پوچھی جاتی ہے افسوس صد افسوس کوئی پوچھتا ہے کہ حضور نہی عن الفرار فی الطاعون (طاعون میں بھاگنے سے ممانعت) کی کیا وجہ ہے کوئی صاحب تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں حتیٰ کہ روزہ نماز حج و زکوٰۃ مواریث سب احکام میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں نعوذ باللہ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ احکام شرعیہ میں جو بیجا سوالات کئے جاتے ہیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان احکام کی دل میں عظمت ہے اور اس سائل سے زیادہ مجیبین (جواب دینے والے) زمانہ پر حیرت ہوتی ہے کہ آجکل مجیبین نے یہ شیوہ اختیار

کرلیا ہے کہ وہ سائلین کے مذاق کے تابع ہوگئے ہیں جو شخص جس حکم کی حکمت اور علت پوچھتا ہے اُسکو کچھ نہ کچھ علت اور حکمت بتلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر معلوم نہیں ہوتی تو گھڑ گھڑ کر بتا دیتے ہیں یہ جواب کیوں نہیں دیا جاتا کہ یہ قانون الٰہی ہے جیسا کہ حکام مجازی کے حکم کی تعمیل کے متعلق کہا جاتا ہے افسوس معلوم ہوتا ہے کہ احکم الحاکمین کی عظمت کو حاکم مجازی سے بھی کم سمجھ لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سائل کے دل میں تو ظاہر ہے عظمت نہیں مجیب صاحب کے قلب میں بھی نہیں ہے کیونکہ عظمت اگر ہوتی تو وہی جواب دیتے جو اسٹامپ کی مثال میں گذرا کہ بس چپ رہو قانون اسیطرح ہے ہم اسکے سوا کچھ نہیں جانتے اور جب حاکم مجازی کے بہت سے احکام کے اسرار اور حکمتیں اور مصلحتیں ہم کو معلوم نہیں اور نہ ہوسکتی ہے تو پھر حاکم حقیقی کے احکام کے اسرار معلوم کرنیکے درپے کیوں ہوتے ہیں اور جب ایک ادنیٰ آدمی اپنے نوکروں کو اپنے خانگی معاملات کے اسرار نہیں بتاتا تو حق تعالیٰ جل وعلا شانہ با ایں ہمہ عظمت اپنے مخلوق و مملوک کو کیوں اسرار بتادیں اسلئے عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

(شراب اور قوال کا ذکر چاہے کرلیا کرو مگر دنیا کا راز تلاش کرنیکے چکر میں نہ پڑو کیونکہ عقل اور حکمت کے بل پر نہ آج تک کوئی یہ گتھی سلجھا سکا نہ کبھی سلجھا سکے گا۔)

اس زمانے میں بہت لوگ علل اور حکم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں بہت غور و خوض کے بعد اگر کوئی بات کسی حکم کے متعلق سمجھ میں آگئی تو اُسپر بے انتہا اتراتے ہیں فرحوا بما عندھم من العلم (جتنا علم جس کے پاس ہے وہ اتنے ہی میں مگن ہے) حالانکہ وہ حقیقی اسرار کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ؎

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست آنجا جزایں کہ جاں بسپارند چارہ نیست

(عشق کا دریا ایک زبردست سمندر ہے جسکا اور نہ چھور۔ وہاں تدبیر بھی بس یہی ہے کہ جان دیدو)

خود اہل سائنس میں جو وسیع النظر ہیں معترف ہیں کہ دریائے سائنس میں سے ابھی ایک قطرہ پر بھی ہمکو دسترس نہیں جب اسرار مخلوق پر ان لوگوں کو ابھی تک عبور نہیں ہوا تو خالق کے اسرار اور علل کو کیسے سمجھ سکتے ہیں اور اگر غور و خوض کے بعد کوئی علت کسی کی سمجھ میں بھی آگئی تو ظاہر ہے کہ منصوص تو نہیں ہے کیونکہ انکی ہی طبع زاد ہے پس وہ خود ظنی اور تخمینی ہوگی پس اگر احتمالاً کوئی شخص منکر ان کی علت مخترعہ کو باطل کردے تو چونکہ اس مجیب نے اسکی علت اور مدار حکم ہونیکا اعتراف کرلیا ہے بس اس کے انہدام (ختم ہونے) سے وہ حکم شرعی بھی منہدم ہوگیا پس ان بزرگوں نے علل مخترعہ کا لکم اور انکو مدار حکم ٹھہرا کر تمام شریعت ہی کو اصل سے منہدم کردیا ہے ۔ ع دوستی بیخرد چوں دشمنی است۔ (جاہل کی دوستی بھی دشمنی ہے) ایسے ہی محققین من الحمقہ (حقہ والے محقق) کی بدولت اسلام پر انواع انواع کے اعتراض ہو رہے ہیں تو حضرت اسلام آپ کی ایسی ہمدردی سے مستغنی ہے اسلام خود ایسا روشن اور ثابت ہے کہ اُسکو ایسے تخمینیات سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ ع

فی طلعۃ الشمس ما یغنیک عن زحل ۔ آفتاب جسکے سامنے ہو وہ زحل کو لیکر کیا کریگا ۔ ع آفتاب آمد
دلیل آفتاب ۔ پس جب کوئی تم سے پوچھے کہ فلاں حکم کی کیا علت ہے بے تکلف کہدو کہ ہم نہیں جانتے کیا علت
اور حکمت ہے بس حکم خدا تعالیٰ کا ہی جیساکہ فرشتوں نے عرض کیا تھا سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا
انک انت العلیم الحکیم یعنی تو پاک ذات ہے ہمکو کچھ علم نہیں مگر وہ جو آپ نے ہم کو سکھا دیا بیشک آپ ہی
باخبر اور حکمت والے ہیں ۔ یہی طریق ہم کو اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ ظاہر ہے کہ ہمارا علم ناقص فرشتوں کے علم سے تو زیادہ
نہیں جب انھوں نے تفویض محض سے کام لیا اور اپنی رائے کو دخل نہیں دیا تو ہم کون ہیں کہ دخل در معقولات دیں
بس یہ جواب کافی ہے حضرات صحابہؓ باایں ہمہ فضل وکمال مناظرۂ کفار میں جو بات معلوم نہ ہوتی صاف فرمادیتے کہ
ہم نہیں جانتے ہم اپنے پیغمبر سے پوچھ کر بتاوینگے اور یہی خوبی کی بات ہے بلکہ اسمیں احکام کی زیادہ عظمت ظاہر ہوتی
ہے ایک حکایت یاد آئی ایک آریہ نے دعویٰ کیا کہ ہم اپنے مذہب کے ہر جز کی بنا عقل سے بتلا سکتے ہیں اور مسلمان ایسا نہیں
کر سکتے میرے ایک عزیز نے جواب دیا کہ بس اسی سے معلوم ہوا کہ تمھارا مذہب کسی مخلوق کا بنایا ہوا ہے کہ دوسرا مخلوق
اسکے اسرار تک پہنچ سکتا ہے اگر خالق کا فرمایا ہوا ہوتا تو مخلوق کہیں تو ادراک اسرار سے عاجز ہوتا ۔ آجکل ایسے لوگ زیادہ
ہیں کہ علم تو خاک نہیں مگر مباحثہ اور مناظرہ میں قدم رکھتے ہیں اور بعض آریوں سے بعض شیعوں سے بعض عیسائیوں سے
مناظرہ شروع کر دیتے ہیں اور جب انکے ایسے سوالات کے جواب میں خود احکام کیوجہ سمجھ میں نہیں آتی تو علماء سے پوچھتے
پھرتے ہیں مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ ہم نہیں جانتے علماء سے پوچھ لو سو دین کو ایسا ارزاں بنا رکھا ہے کہ اُسکے جاننے کا ہر
شخص مدعی ہے اور فنون میں تو یہ کہتے ہوئے شرم اور عار نہیں آتی کہ ہم اس بات کو نہیں جانتے مگر دین ایسا ہو گیا کہ
ہر شخص مدعی ہے کہ میں بھی مجتہد ہوں اور بیخبری کے اقرار سے عار ہے حاصل یہ کہ اسرار کی تفتیش دلیل اسکی ہے کہ حق تعالیٰ
کی عظمت پیش نظر نہیں ہے اگر عظمت پیش نظر ہوتی تو احکام میں کاوش اور انکی علل سے سوال کرنا تو کیا اسکا وسوسہ
تک بھی نہ گذرتا چنانچہ جنکے دل میں عظمت ہوتی ہے اُنکے دلمیں ہرگز وسوسہ نہیں آتا یعنی ایسا وسوسہ جو عقیدہ کے مرتبہ میں
ہو اور جو محض خطرہ کے مرتبہ میں ہو وہ منافی عظمت کے نہیں بلکہ وہ تو علامت کمال ایمان کی ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ
عنہم کو ایسے وساوس آجاتے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمکو ایسے
خطرات گذرتے ہیں کہ اگر ہم جلکر خاک سیاہ ہو جاویں تو اسکے تکلم سے اسکو بہتر جانتے ہیں حضور نے فرمایا اَوَ قد
وجدتموہ قال ذاک صریح الایمان یعنی کیا تم ایسے خطرات کو اپنے قلوب میں پاتے ہو یہ تو صریح
ایمان ہے اور یہ فرمایا الحمد للہ الذی رد کیدہ الی الوسوسۃ یعنی اللہ کا شکر ہے کہ شیطان کے مکر کو وسوسہ
کیطرف پھیر دیا اعمال اور عقائد تک اسکو دسترس نہیں ہوئی اہل سلوک کو بھی بعض مرتبہ ایسے وساوس آتے ہیں
کہ خودکشی کرنی آسان معلوم ہوتی ہے چنانچہ جو انمیں جاہل ہیں وہ خودکشی کر بھی لیتے ہیں اور جو واقف ہیں ۔

وہ صبر کرتے ہیں اور راز اور علت وسوسہ کی یہ ہے کہ جب سالک اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسکو ضرر پہنچاؤں اول نماز روزہ فرائض واجبات کے ترک کی کوشش میں لگتا ہے کہ دینی ضرر ہے جب جانتا ہے کہ مجھ کو اسمیں کامیابی نہوگی اسوقت جسمانی ضرر اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اسکے گوش قلب میں بُرے بُرے وسوسے پھونکتا ہے سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ اللہ اکبر میرے تو ایمان ہی میں نقص ہے کہ مجھکو ایسے خطرات گذرتے ہیں حالانکہ ان وسوسوں کا آنا اسکو مطلق مضر نہیں ہاں موجب پریشانی کا ہے اور پریشانی کا موجب بھی اس سبب سے کہ اسمیں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سالک سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے قلب سے پیدا ہوتے ہیں منشار انکا میرا قلب ہے حالانکہ یہ غلط ہے منشار اسکا شیطان ہے کیونکہ وہی قلب میں پھونکتا ہے قلب محض محل اور گذرگاہ وسوسہ کا ہے اس راز کے سمجھنے اور ذہن نشین ہونے کے بعد انشاء اللہ مطلق پریشانی نہوگی بلکہ وسوسہ ہی کی جڑ کٹ جاوے گی کیونکہ شیطان وسوسہ اسکے پریشان کرنے کیلئے ڈالتا ہے جب وہ پریشان ہی نہوگا وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دیگا تو یہ علمی علاج ہے کہ جب وسوسہ آوے اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ فعل شیطان ہے اور تعوذ سے بلکہ مطلق ذکر سے شیطان دفع ہوتا ہے ونیز جب ذکر کیطرف خوب متوجہ ہوگیا اور کامل توجہ دو طرف ہوتی نہیں تو وسوسہ کیطرف التفات نہ رہیگا اور بالفرض اگر اسپر بھی وسوسہ آویں اور دفع نہوں او زبالاضطرار پریشانی ہو تو یہ بھی ایک مجاہدہ ہے تب بھی نفع ہی ہوا اسلئے رنج نکرے اور جو شخص اس فکر میں لگا رہے کہ وسوسے دفع ہوں اور عبادات و ذکر اللہ میں مزا آوے جیسا کہ آجکل اکثر اہل سلوک کا حال ہے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ شخص اپنے مزے کیلئے ذکر کرتا ہے رضائے حق کیلئے نہیں کرتا۔

بس زبونِ وسوسہ باشی دلا   گر طرب را باز دانی از بلا

(اے دل خوب کان کھولکر سن لے کہ اگر تونے آرام و آلام، رحمت و زحمت، طرب و تعب میں فرق کرنا اور ایک کو پسند دوسرے کو ناپسند کرنا شروع کیا تو پھر تو وسوسے کے ہاتھوں بہت پریشان ہوگا) گر مرادت را مذاق شکر است   بے مرادی نے مراد دلبر است (اگر تمہاری مراد کے موافق ہونے کا مزا شکر کی طرح خوشگوار ہے تو سمجھ لو کہ تمہاری نامرادی تمہارے محبوب کے مرضی کے موافق ہے)

دوسرا علاج وسوسہ کا مطلق ذکر اللہ ہے جیسا اوپر بھی اشارہ ہوا سو جب وسوسہ آوے ذکر اللہ شروع کردے حدیث میں ہے اذا ذکر اللہ خنس یعنی جب مومن ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے واذا غفل وسوس اوپر اسکی عقلی لم بھی مذکور ہوئی ہے اور وسوسہ آنیکی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اسمیں حق تعالیٰ کیطرف سے سالک کا امتحان ہے کہ اسکی عبادت حظ نفس کیلئے تھی یا یہ کہ اس کشاکشی اور بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ یہ وسوسہ کیوقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے بعض تو جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اس سے مناظرہ میں مشغول ہوجاتے

ہیں سو ایسا شخص عارف نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اسطرف ہرگز متوجہ نہوتا جیسا کہ شیخ علیہ الرحمہ نے حکایت نقل فرمائی

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو　　چو بگذشت بر عارف جنگجو
گر ایں مدعی دوست بشناختے　　بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(خوش اخلاق بہلول نے کیا مزے کی بات کہی۔ ایکبار انھوں نے ایک صوفی کو دیکھا کہ کسی سے لڑ رہا ہے تو فرمایا کہ یہ صوفی نہیں ہے محض نقال اور دعوی کرنیوالا ہے ورنہ اگر صوفی ہوتا تو دشمن سے نہ اُلجھتا اتنی دیر اپنے محبوب کے تصور سے محروم نہ رہتا)

لہذا ان وسوسوں سے ہرگز پریشان نہوا ور کام میں لگا رہے آجکل یہ بھی اہل سلوک کو خبط ہوگیا ہے کہ مزہ کے طالب ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آوے اور مزہ آوے طالب صادق کی ہرگز یہ شان نہیں صادق وہی ہے کہ مزہ آوے یا نہ آوے کلفت ہو یا راحت ہو ہر حال میں طالب رضا کا ہو مولانا فرماتے ہیں ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

(اگر کیفیات نہیں ہوتیں نہ ہوں، کچھ ڈر نہیں اے سب سے زیادہ پاک محبوب بس تو رہ جا)

واردات اور کیفیات کو اصطلاح صوفیہ میں روز بھی کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر واردات اور کیفیات جاتی رہیں کہدو جائیں کچھ حرج نہیں اے پاک ذات تو رہ کہ تیرے مثل کوئی پاک نہیں ہے یعنی تیری رضا مطلوب ہے وہ فوت نہونی چاہئے۔ لہذا اصل مقصود کیفیت اور مزہ کو نہ بنانا چاہئے۔ رضا کو مقصود بنا وے سرمد کیا خوب فرماتے ہیں

سرمد گلہ اختصار می باید کرد　　یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد　　یا قطع نظر زیار می باید کرد

(سرمد شکایت کم کرو۔ دو باتوں میں سے ایک بات کرو۔ یا تو رضائے دوست پانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادو۔ یا پھر عشق کا نام نہ لو۔)

اور محب کی تو یہ شان ہونی چاہئے ؎

زندہ کنی عطائے تو + ور بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو + ہر چہ کنی رضائے تو

(اگر تو زندہ کرے تو یہ محض تیری عطا ہے اور اگر تو قتل کرے تب بھی میں تجھپر فدا ہوں۔ اب تو دل تجھ پہ عاشق ہوچکا اب تو جو چاہے سو کر۔ وہ تیری مرضی ہے تو میری بھی مرضی ہے)

پس جس حالت کو وہ سالک کیلئے پسند فرماویں اسپر راضی رہے کیونکہ حق تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہیں اور اپنے بندوں کے حال سے خوب واقف ہیں بعضوں کی تربیت کا یہی طریقہ ہے کہ انکو ہمیشہ پریشانی انقباض رنج میں مبتلا رکھیں سبکو تو ہر امر میں محبوب کی رضا جوئی کرنا چاہئے مثلاً اگر کوئی محبوب محب سے یہ کہے کہ اگر تم کو ہماری رضا مطلوب ہے تو باہر دروازہ پر بیٹھے رہا کرو اور ہمکو مت دیکھا کرو۔ جناب اگر سچا محب ہے تو دل وجان سے امتثال کریگا اور اگر ہوسناک ہے تو صبر نہ آویگا اور مبتلائے ناراضی محبوب ہوگا غرض یہ ہے کہ سالک کو مختلف حالتیں پیش آتی ہیں کبھی جمعیت ہے کبھی پریشانی کبھی غیبت ہے

(نہ بمعنی نسیان بلکہ بمعنی عدم دلچسپی) اور کبھی حضور رہے اور یہ جملہ حالات محمود ہیں اسلئے کہ گو یہ بظاہر غیبت ہو مگر فی الواقع یہ بھی حضور کی ایک ہیئت ہو پس رضائے محبوب اسمیں بھی ہو اور یہی مطلوب ہے اور اگر حضور اصطلاحی ہوا ور رضا نہو تو وہ بظاہر حضور ہو لیکن حقیقۃً غیبت ہے الحاصل کبھی حضور برنگ غیبت ہوتا ہو کبھی غیبت برنگ حضور ہوتا ہو کبھی قرب بصورۃ بُعد ہوتا ہو کبھی بعد بصورۃ قرب ہوتا ہو اسکی مثال ہمارے معاملات دنیوی میں ایسی ہو کہ ایک شخص تو وہ ہو جو بادشاہ وقت سے دور ہو مگر بادشاہ نے اُسکو کسی عہدۂ جلیل القدر اور خطابات اعزاز سے نوازا ہو اور شب و روز شاہی الطاف و عنایات اسپر متوجہ ہیں تو گو یہ شخص صورۃً بادشاہ سے بعید ہے مگر فی الحقیقت قریب ہے اور ایک وہ شخص ہو جو جرائم شاہی کا مرتکب ہے جسکی وجہ سے بادشاہ اُس سے سخت ناراض ہو اور حکم ہو کہ جہاں اسکو پاؤ گرفتار کرلو چنانچہ حسب الحکم شاہی وہ بادشاہ کے روبرو حاضر کیا گیا پس یہ شخص گو ظاہراً قریب ہے مگر واقع میں بعید اور مردود ہی حاصل یہ کہ ایسے وسوسوں سے پریشان نہو کہ یہ قرب کیخلاف نہیں ہے بلکہ یہ شخص مقرب ہے اور واقع میں یہ وساوس بھی باطن قلب کے اندر نہیں ہوتے گو متوہم ایسا ہی ہوتا ہو مگر حقیقت میں بیرون قلب ہوتے ہیں جیسے کہ آئینہ کے باہر مکھی بیٹھ جاوے تو دیکھنے والے کو تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ مکھی آئینہ کے اندر بیٹھی ہے حالانکہ وہ باہر ہے۔ اسیطرح وسوسہ قلب کے باہر ہے قلب کے اندر جہاں ذکر اللہ ہو انکی گنجائش نہیں ہے ایسے مومن کا قلب بالفعل محفوظ ہے ؎

عذل العواذل حول قلبی التائہ   وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ

(ملامت گروں کی ملامت میرے دل کے اندر نہیں گھس پاتی۔ دل کے اندر تو بس اپنے پیاروں کی محبت بھری ہے۔)

اسیطرح قلب ذاکر میں وساوس کا گذر نہیں اور وہ جو اسکو معلوم ہوتا ہے وہ عکس وساوس کا ہے۔ ایک بزرگ اسکے علاج میں فرماتے ہیں کہ جب وسوسے آویں خوب خوش ہونا چاہئے کیونکہ یہ علامت ہو ایمان کی لقولہ علیہ السلام ذاک صریح الایمان چور گھر میں جب ہی آتا ہے جبکہ گھر میں مال ہو اسیوجہ سے وساوس صالحین ہی کو آتے ہیں اور جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں انکو کبھی وسوسہ نہیں آتا اور مصلحت اس خوش ہونے میں یہ ہو کہ اس سے وسوسہ قطع ہوجاویگا کیونکہ شیطان کا مقصود تو وسوسہ ڈالنے سے یہ ہو کہ یہ غم و حزن میں مبتلا ہو اور جب یہ برعکس خوش ہوتا ہو تو وسوسہ ڈالنا چھوڑ دیگا سبحان اللہ کیا علاج ہو یہاں سے حضرات صوفیہ و فقہاء کا کمال علمی معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ سے یہ حضرات بدرجہا زیادہ ہیں اسلئے کہ فلاسفہ اکثر اعیان اور محسوسات کے حقائق سے بحث کرتے ہیں اور یہ کوئی مشکل نہیں جو شے ہمارے سامنے موجود ہو اسکو ہم کسراً و قطعاً و تحلیلاً و ترکیباً ہر طرح تحقیق کرسکتے ہیں اور جہاں معانی سے بحث کی ہے وہاں ٹھوکریں کھائی ہیں اور حضرات فقہاء و صوفیہ معانی سے جو کہ غیر محسوس ہیں بحث کرتے اور ان کے علل و اسرار بیان کرتے ہیں اور آثار و نتائج سے صحیح ثابت ہوتے ہیں یہ نہایت مشکل ہے حاصل یہ ہے کہ ایسے وسوسوں کا آنا عظمت الٰہی کے خلاف نہیں ہے گفتگو ان وسوسوں میں ہے جنپر مدار کار رکھے اور وہ مرتبۂ عقیدہ

میں ہوجاویں ایسے وسوسے اُسی کے دل میں آوینگے جسکے دلمیں عظمت نہو۔ جب مابہ الفرق عظمت ہوا پس عظمت حق تعالیٰ کی اور اسکے احکام کی دل میں پیدا کرنا چاہیے تاکہ یہ شبہات کہ وساوس مذمومہ ہیں قطع ہوں اور مراد احکام الٰہیہ سے خاص قرآن نہیں بلکہ حدیث وفقہ بھی اس میں داخل ہے پس جسطرح عظمت اللہ تعالیٰ کے احکام کی ضروری ہوا اُسیطرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بھی عظمت ضروری ہو اسلئے کہ آپکے احکام حقیقت میں خداوند تعالیٰ ہی کے احکام ہیں اسیطرح احکام فقہیہ کی عظمت بھی لازم ہو اسلئے کہ وہ سب احکام قرآن و احادیث ہی سے متنبط ہیں اسلئے کہ جزئیات تابع کلیات کے ہوتے ہیں یہ نہ کہیں گے کہ اس جزئی خاص کا حکم بالتصریح مذکور نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس ہوا اور وہ قانون ہندوستان میں آیا اب جب کبھی کوئی شخص اس قانون کے خلاف کریگا اسکو وہی سزا دیجائیگی جو پاس ہوچکی ہے یہ ہرگز نہ کہا جائیگا کہ خاص اس شخص کا واقعہ تو تعزیرات میں درج نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ بھی تو جزئی اسی کلی کی ہو اسیطرح فقہا کتاب و سنت سے ایک علت سمجھکر ایک کلیہ حاصل کرتے ہیں پھر اسکو تمام جزئیات کیطرف متعدی کرتے ہیں پس خواہ وہ حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو یا سنت سے یا اجماع وقیاس سے سب حکم الٰہی ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم

(توجس رنگ کا کپڑا چاہے پہن میں تو چونکہ تیرے قد کے انداز کو خوب پہچانتا ہوں اسلئے تجھے ہر حال میں پہچان لونگا)۔

اسیواسطے فقہا نے کہا ہے القیاس مُظہِرٌ لا مُثبِتٌ (قیاس سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی ظاہر ہوتی ہے) پس جب تمام احکام فقہیہ کا احکام الٰہی ہونا معلوم ہوچکا اب انمیں بھی چون وچرا کرنا اور اسکی علت دریافت کرنا نہایت بے ادبی ہے ہاں طالب علم اگر مستفیدانہ علت سے سوال کرے تو کچھ ہرج نہیں مثلاً طبیب نے مریض کو ایک نسخہ لکھ کر دیا اگر مریض دریافت کرنے لگے کہ جناب آپنے گل بنفشہ کا وزن ۵ ماشہ کیوں لکھا ہے طبیب کو غصہ ہوگا اور اسکو کان پکڑ کر نکالدیگا اور اگر کوئی طالب علم جو اس فن کو حاصل کرنے آیا ہو سوال کرے اسکے سوال کرنیسے خوش ہوگا اور بیان کریگا پس عوام الناس کا علل و اسرار سے سوال کرنا ایک بیہودہ حرکت ہو اور معاندانہ سوال کرے تو سخت بے ادبی اور قریب بکفر ہے افسوس ہو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بیان احکام میں کیسی مشقتیں اٹھائیں انواع انواع کی تکالیف برداشت کیں اور ہماری خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہمارے روشن خیال بھائیوں نے اسکی یہ قدر کی کہ اُن احکام پر بجائے عمل کرنیکے ان میں اپنی رائے کو دخل دینے لگے کہ فلاں حکم عقل کے خلاف ہے فلاں موافق ہو چاہئے تھا کہ حضورؐ کے شکر گزار ہوتے اور جب کوئی حکم ملتا سر آنکھوں پر رکھ کر عمل شروع کر دیتے پھر دیکھتے کہ وہ کیا نتیجہ دیتا غرض آپکے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جیسا مریض ایک مشفق اور حاذق طبیب سے کرتا ہو کہ اسکی ہر تجویز کو بلا چون وچرا اپنی مصلحت پر محمول کرتا ہو اور ممنون ہو کر عمل کرتا ہو سو اس حدیث میں بھی ہماری ضرورت وحالت موجودہ پر نظر فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہو کیونکہ ہم اس بلا میں مبتلا ہو رہے ہیں

اور یہی وجہ ہے اس حدیث کے اختیار کرنیکی سو یہ مرض جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے ہملوگوں میں آجکل رچ رہا ہے یعنی
جس شے پر ہملوگونکی نظر ہے اُسپر حقتعالی کی نظر نہیں اور جسپر حق تعالی کی نظر ہے اُسپر ہماری نظر نہیں لوگونکا مطمح نظر تو صوَر
اور اموال ہیں اور حق تعالی کی اسپر نظر نہیں اور حق تعالی کی نظر نیات اور اعمال پر ہے اسپر مخلوق کی نظر نہیں اور یہ
صریح مقابلہ ہے حقتعالی کیساتھ نعوذ باللہ من ذلک صورۃ پر نظر تو یہ ہے کہ شب و روز یہ کوشش ہے کہ ہماری صورۃ
ہمارا لباس ہماری وضع ہمارا طرز و انداز لوگونکی نظر میں بھلا معلوم ہو ہر شخص کم و بیش اسی دُھن میں ہے اور رات
دن سوائے بناؤ سنگار کے کوئی مشغلہ نہیں میں یہ نہیں کہتا کہ تزیّن ممنوع ہے تزین مباح ہے مگر جب تک کہ اس میں
تجاوز عن الحدود اور انہماک نہ ہو اور جب انہماک ہوا تو وہ غفلت کا سبب ہو جاتا ہے اور تجاوز کا حکم تو ظاہر ہے
غرض تزین کو منظور الیہ قرار دینا نہ چاہیے اسیواسطے حدیث میں آیا ہے نہیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عن الترجّل الّا غِبًّا (حضورؐ نے کنگھی روزانہ کرنے سے منع فرمایا ہے ایکدن ناغہ کرکے کرنا چاہیئے) اور یہ بھی تجربہ ہے کہ جو لوگ
شب و روز تزین میں مشغول رہتے ہیں کمال سے عاری ہوتے ہیں اسلئے کہ اگر ان میں کمال ہوتا تو اسمیں مشغول ہونے
سے اسطرف توجہ نہ ہوتی غرض ایسا تزین جسمیں شب و روز مشغولی ہو منہی عنہ ہے اگرچہ ہیئت مباحہ سے بھی ہوتا اور
ابتو اباحہ سے آگے بڑھکر اوضاع منہی عنہا میں مبتلا ہو گئے ہیں غیر اقوام کے لباس اور طرز کو پسند کرتے ہیں۔ ڈاڑھی کے
دشمن ہیں اور قطع نظر جواز ناجواز سے اسلامی غیرت بھی تو اسکو مقتضی تھی کہ ہم اپنی وضع کو محفوظ رکھتے جیسے اور
قومیں اپنی اپنی وضع کی پابند ہیں اور ہمکو دوسری قوموں سے امتیاز ہوتا مگر اب وہ غیرت اسلامی بھی اڑ گئی مابہ
الامتیاز افعال اور ہیئت تھی سو افعال کا امتیاز تو مدت ہوئی جاتا ہی رہا الا ماشاء اللہ صرف امتیاز ہیئت کا باقی تھا
سو افسوس ہے کہ اب وہ بھی رخصت ہوا شاید کوئی کہے کہ ہمارا ٹوپی سے امتیاز ہے جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ٹوپی پنجاب میں
ہندو بھی استعمال کرنے لگے ہیں اسلئے اس سے کچھ بھی امتیاز نہ رہا دوسرے یہ کہ اگر ٹوپی کسی وقت سر پر نہو (جیسا کہ
اکثر تعلیم یافتہ لوگونکا شعار ہے) تو پھر امتیاز کس چیز سے ہوگا اسکو ضروری کہا جاویگا کہ ہر وقت ٹوپی سر پر رہے
جیسے مجھکو ایک حکایت یاد آئی میرے یہاں ایک مہمان آئے میں نے اپنے ایک بھولے دوست سے کہا کہ دیکھو ان کو
پہچان لو میں مکان سے انکو کھانا بھیجونگا کھلا دینا۔ اسکے بعد مکان سے کھانا آیا تو وہ مہمان میرے پاس بیٹھے
تھے وہ دوست آکر کہنے لگے کہ کھانا تو آگیا مگر وہ معلوم نہیں کہاں ہیں میں نے کہا کہ یہ سامنے کیا بیٹھے ہیں تو کہتے
ہیں کہ انکے پاس چادر تو ہے نہیں میں نے مزاحًا اُن مہمان سے کہا کہ آج سے یاد رکھیئے آپ چادر ہر وقت اوڑھے
رہیئے ورنہ کھانا نہ ملا کریگا تو کیا چادر کیطرح ہر وقت ٹوپی سر پر رکھنا لازم ہوگا۔ غرض ٹوپی کوئی علامت نہیں ہے
ذات کے اندر کسی علامت کا ہونا ضروری ہے سو وہ ڈاڑھی ہے اور دوسری علامت خارجی لباس ہے اور بغیر ان
دونوں علامتوں کے امتیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ تو صرف ڈاڑھی کافی ہے اسلئے کہ لڑکوں کے ڈاڑھی نہیں ہوتی اگر صرف

حکایت ۵

ڈاڑھی کو مابہ الفرق کہا جاوے تو لڑکوں کا امتیاز کس چیز سے ہوگا اور نیز بہت سی غیر قومیں بھی ڈاڑھی رکھتی ہیں ان سے امتیاز بجز لباس کے کسی چیز سے نہیں ہو سکتا اور نہ صرف لباس کافی ہے وہذا ظاہر۔

غرض حمیت کا مقتضا یہ ہے کہ ہم اپنی وضع اسلامی کو محفوظ رکھیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھنے کا مسئلہ قرآن میں دکھلاؤ سو پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ جو احکام احادیث سے ثابت ہو چکے ہیں وہ سب احکام الٰہی ہیں کیونکہ اتباع حدیث کا حکم خود قرآن میں ہے پس اس طور پر تمام احکام حدیث قرآن میں ہیں مگر آجکل عام طور سے یہ خبط ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ قرآن سے دلیل لاؤ کوئی کہتا ہے حدیث سے دلیل لاؤ سخت افسوس ہے کہ اپنے اصول کو چھوڑ دیا خوب سمجھ لو کہ اصول شرعیہ چار ہیں۔ کتاب و سنّت اجماع و قیاس۔ انکا دلائل ہونا دلائل عقلیہ و سمعیہ سے جب طے ہو چکا ہے پھر خاص قرآن یا حدیث سے دلیل مانگنا چہ معنی ہم جب دعویٰ کرینگے کہ یہ حکم شرعی ہے تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ ھذا الحکمُ ثابتٌ اِمّا بالقران او السنّۃُ او الاجماعُ او القیاس پھر ان اَدلّہ اربعہ میں سے جس دلیل سے (چار دلیل) ہم ثابت کر دینگے حکم شرعی ہونا اس حکم کا ثابت ہو جاویگا۔ سائل کا یہ منصب نہیں کہ یہ کہے کہ صرف قرآن اور حدیث سے ثابت کرو اور ایسا سائل درپئے مدعی اس امر کا ہے کہ قرآن و حدیث کے سوا اور کوئی دلیل حجۃ نہیں ہے جیسے کوئی شخص ہزار روپیہ کا دعویٰ عدالت میں دائر کرے اور گواہ پیش کرے تو مدعا علیہ کو یہ منصب نہیں ہے کہ کہے کہ میں ان گواہوں کی گواہی نہیں تسلیم کرتا جبتک فلاں فلاں گواہی نہ دینگے میرے نزدیک حکم ثابت نہوگا۔ عدالت سے سوال ہوگا کہ ان گواہوں میں تمھارے نزدیک کوئی جرح ہے مدعا علیہ کہے کہ جرح کچھ نہیں معتبر ہیں مگر میں تو فلاں فلاں کی گواہی تسلیم کرونگا اسکی یہ بکواس ہرگز معتبر نہ ہوگی اور عدالت سے ان ہی گواہوں پر فیصلہ ہوگا تا وقتیکہ کوئی جرح ثابت نہ کیا جاوے پس شریعت میں جب چار گواہ تسلیم کر لئے گئے تو ہم حکم کو جس گواہ سے چاہیں گے ثابت کر دینگے۔ ہاں اگر گواہ میں یعنی ان دلائل کی صحت میں کوئی کلام ہو تو اسکو طے کر لینا چاہئے اور اس سے زیادہ مجیبین پر افسوس ہے کہ قرآن و حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہیں ملتا تو پریشان ہوتے ہیں حالانکہ اس قید کیساتھ جواب کا ضروری ہونا خود اصول کے خلاف ہے مگر جہل کا ایسا غلبہ ہو گیا ہے کہ حقیقی اور اصلی جواب پسند نہیں آتا اور جو اصول صحیح سے جواب دے وہ احمق گنا جاتا ہے اور جو خلاف اصول جواب دے وہ عاقل اور ہشیار سمجھا جاتا ہے۔ اسکے علاج کیلئے علم دین کی سخت ضرورت ہے سو بعض ہیئات تزین کا ناجائز ہونا یقیناً شرع سے ثابت ہے مگر وضع اسلامی کے ایسے دشمن ہوئے ہیں کہ اسمیں طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ من تشبہ بقوم فھو منھم حدیث ضعیف ہے سبحان اللہ اچھے اچھے محققین پیدا ہوئے ہیں حدیث کے ضعف اور قوۃ پہچاننے والے بھی آپ ہیں خیر اگر تمھارے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہی ہے تو دوسری احادیث قویہ بھی تو موجود ہیں تشبہ کا منہی عنہ ہونا تو شرع میں متواتر المعنی ہو گیا ہے حدیث میں ہے کہ اللہ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شکل بنائیں۔ اور ان عورتوں پر بھی

لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی شکل بنائیں جبکہ عورتوں کیساتھ تشبہ ناجائز ہے، حالانکہ ہمارے ہیں اور عورتوں ہیں اسلامی شرکت ہے تو جہاں اسلامی شرکت بھی نہو جیسے کفار اور انکی وضع بنانا تو کیسے جائز ہوگا۔ جو صاحب تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں اُن سے ہماری ایک التجا ہے اگر اسکو اُنھوں نے پورا کردیا تو ہم آج ہی سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ان سے تشبہ کے مسئلہ میں گفتگو نکرینگے۔ آپ تھوڑی دیر کیلئے اپنا لباس اُتار دیجئے اور اندر دولت خانہ میں جاکر بیگم صاحبہ مکرمہ معظمہ کا کمخواب کا پائجامہ اور سُرخ ریشمی کامدار کرتہ اور بنارسی ڈوپٹہ اور ہاتھوں میں چوڑیاں اور پاؤں میں پازیب اور گلے میں ہار اور تمام زیوروں سے آراستہ پیراستہ ہوکر اور جہاں آپکے دوست ہمچشم اور آپکے بڑے چھوٹے بیٹھے ہوں وہاں تشریف لاکر تھوڑی دیر کیلئے ذرا کرسی پر اجلاس فرمائیے اگر آپنے یہ حرکت کرلی تو ہم آپکے تشبہ کے مسئلہ میں کبھی گفتگو نکرینگے۔ مگر مجھے اُمید نہیں کہ کوئی صاحب اس پر راضی ہوجاویں بلکہ اگر انکو ہزار روپیہ بھی دیں تب بھی راضی نہ ہونگے اور عار سمجھیں گے تو بتلائیے یہاں انقباض اور ناگواری کا مبنی بجز تشبہ بالنسار کے کچھ اور بھی ہے افسوس ہے کہ عورتوں کی وضع بنانا تو عار ہے اور اعدار اللہ کی وضع بنانا گوارا ہے بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ اگر سب کفار مسلمان ہوجائیں تو کیا اسوقت بھی تشبہ ممنوع ہوگا جواب یہ ہے کہ اُسوقت وہ تشبہ ہی نہ ہوگا کیونکہ وہ وضع اب وضع الکفار نہ رہی غرض یہ سب شعبے ہیں صورۃ آرائی کے یہ تو اپنی صورت پر نظر ہوئی اور دوسرے کی صورت پر نظر یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو دیکھتے ہیں کہ امیر ہے یا غریب کالا ہے یا گورا اچھا لباس پہنے ہوئے ہے یا برا لباس اور پھر معاملہ اس سے مختلف کرتے ہیں جو عمدہ لباس پہنے ہوئے ہو اسکی تعظیم بھی ہوتی ہے اگرچہ وہ کمال سے بالکل خالی ہو اور جو خستہ حالت میں ہے اگرچہ با کمال ہو اسکی پوچھ تک نہیں ہوتی اسیطرح امرار کی بہت تعظیم ہوتی ہے غربار کو پاس تک نہیں آنے دیتے اور میں اہل کبر کی ظاہری تعظیم سے مطلقاً منع نہیں کرتا بلکہ اس میں تفصیل ہے کہ تعظیم اگر دفع مضرت کیلئے ہو یا محض تالیف قلب کیلئے ہو تو جائز ہے اور دنیا کے نفع کیلئے اُمرا کے سامنے جبہہ سائی کرے تو یہ ممنوع ہے حاصل یہ کہ آجکل الناس باللباس پر عمل ہے اسلئے اہل علم کی قدر نہیں کیونکہ یہ بیچارے خستہ حالت میں رہتے ہیں لباس اور وضع کے اعتبار سے بھی مال کے اعتبار سے بھی غرض ہر طرح ظاہراً پستی کیحالت میں ہیں اسلئے اہل دنیا کی نظر میں پست خیال تاریک خیال سمجھے جاتے ہیں لیکن بخدا اگر ان اہل علم کو دین کا ذرا چسکا لگ جاوے تو یہ کبھی دنیا اور اہل دنیا کیطرف تھوکیں بھی نہیں اور انکی یہ کیفیت ہوجاوے۔

همه شهر پر ز خوبان منم و خیال ماہے　　　چه کنم که چشم بدخو نه کند به کس نگاہے

(شہر سارا خوبصورتوں سے بھرا ہے مگر میں تو ایک چاند جیسے محبوب کے خیال میں مست ہوں۔ کیا کروں کہ میری آنکھ کی عادت بگڑ گئی ہے یہ اور کسی کو دیکھنا چاہتی ہی نہیں)

اور یہی وجہ ہے جو علمار باعمل اور دیندار ہیں وہ دنیا کیطرف رُخ بھی نہیں کرتے اور نہ انکو اپنی موجودہ حالت قلت دنیا

پر حسرت ہوتی ہے کہ ہم نے یہ علم کیوں پڑھا تھا جس سے یہ پستی نصیب ہوئی مگر شرط یہی ہے کہ جسکا لگ جاوے غرض نہ انکو حرمان عن الدنیا پر افسوس ہے اور نہ وہ تحصیل دنیا کی تدبیریں لگتے ہیں اور ہمنے بعضے دنیا داروں کو جو کہ دنیا کا علم پڑھتے ہیں دیکھا ہے کہ دین کیطرف آتے ہیں اور علوم دنیویہ چھوڑ چھوڑ کر علم دین پڑھتے ہیں اور جو پڑھ چکے ہیں انہیں بہت لوگ جو کہ بڑے عہدوں پر ہیں پچھتاتے ہوئے اور علم دین حاصل نہ کرنے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ ایک لطیفہ یاد آیا ایک طالبعلم انگریزی چھوڑ کر علم دین پڑھنے کیلئے آئے اُنسے کسی نے پوچھا کہ تمنے انگریزی کیوں چھوڑ دی کہا کہ میں نے چاہا کہ میں بھی جامۂ انسانیت پہن لوں سائل نے پوچھا کہ کیا اب تک تم جامۂ انسانیت پہنے ہوئے نہیں تھے کہا نہیں کیونکہ الناس باللباس مشہور مقولہ ہے اور لباس کی تعیین خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے ولباس التقوی ذالک خیر (پرہیزگاروں کا لباس بڑا اچھا لباس ہے) پس بدون تقوی کے جامۂ انسانیت میسر نہیں ہوتا پس دنیا سے ہٹنے کا دین کیطرف آنا اور دین سے دنیا کیطرف ایک کا بھی نہ جانا کیا یہ دلیل نہیں ہے دین کے علو اور دنیا کی پستی کی مگر فاسد المذاق لوگوں نے حالت دینیہ کو پستی اور حالت غیر دینیہ کو علو قرار دیا ہے اور بالکل لباس پر نظر ہے اور غربا بیچارے خواہ باکمال ہوں یا بے کمال انکو نظر انداز کر رکھا ہے اور اسپر عجیب یہ کہ ہمدردی کا دعویٰ ہے افسوس دیکھئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غربا کیساتھ کسطور پر عنایت رحم دلی سے پیش آتے تھے اس مقام پر ایک حکایت یاد آئی حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں گاؤں میں رہا کرتے تھے کبھی کبھی مدینہ طیبہ حضورؐ کیخدمت میں حاضر ہوتے اور گاؤں کی چیزیں ہدیۃً حضورؐ کیخدمت میں پیش کرتے تھے اور حضورؐ انکو شہر کی چیزیں دیتے فرمایا کرتے کہ زاہر ہمارا گاؤں ہے اور ہم زاہر کے شہر ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت زاہرؓ بازار میں چلے جاتے تھے حضورؐ نے آکر پیچھے سے انکو آغوش میں پکڑ کر دبالیا آنکھوں پر ہاتھ نہیں رکھا جیسا آج کل کرتے ہیں کیونکہ اس سے تو ایذا اور وحشت ہوتی ہے حضرت زاہرؓ بولے یہ کون ہے چھوڑ دو پھر جب معلوم ہوا کہ حضورؐ ہیں پھر تو انھوں نے غنیمت سمجھا کہ آج کا دن پھر کہاں نصیب اپنی پیٹھ کو حضورؐ کے جسد اطہر سے خوب ملنا شروع کیا اسکے بعد حضورؐ نے مزاحاً فرمایا کہ کوئی ہے جو اس غلام کو خریدے حضرت زاہرؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہؐ میرا گاہک کون ہے میں تو کم قیمت ہوں حضورؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کے نزدیک تو کم قیمت نہیں ہو دیکھئے آپ انکے ساتھ کسطرح پیش آئے اور انکے خوش کرنے کو مزاح بھی فرمایا اور حضورؐ اسی مصلحت کیلئے گاہ گاہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک یورپ کے بادشاہ کو میں نے خواب میں دیکھا اُسنے یہ اعتراض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مجھے صرف ایک شبہ ہے اور کچھ نہیں وہ یہ کہ حضورؐ اپنے صحابہ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور مزاح وقار کیخلاف ہے اور وقار لوازم نبوۃ سے ہے میں نے جواب دیا کہ مطلق مزاح وقار کیخلاف نہیں بلکہ خلاف وہ ہے جس میں کوئی معتد بہ مصلحت نہو اور حضورؐ کے مزاح میں مصلحت و حکمت تھی وہ یہ کہ حضورؐ کو حق تعالےٰ نے ہیبت اور رعب ایسا عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے شان و شوکت اور جرأت والے آپکے روبرو ابتداءً کلام نکر سکتے تھے

جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اگر حضورؐ صحابہؓ سے ایسی بے تکلفی کا برتاؤ نہ فرماتے تو صحابہؓ کو جرات نہ ہوتی کہ آپ سے کچھ دریافت کریں اور ہیبت اور رعب کیوجہ سے الگ الگ رہتے اور اسی حالت میں ہدایت کا ایک بڑا باب کہ استفسار ہے بند ہو جاتا اور تعلیم و تعلم کا بڑا حصہ مسدود ہو جاتا اسلئے حضورؐ ان سے مزاح فرماتے تھے تاکہ بے تکلفی سے جو چاہیں پوچھیں۔ پھر مزاح بھی تین قسم کا ہوتا ہے ایک مزاح وہ جو ہلکے پن اور چھچھورپن پر دلالت کرے اُس سے حضورؐ پاک ہیں اور ایک مزاح وہ جس سے کسی کو تکلیف پہونچے اور تیسرے وہ کہ وقار اور متانت سے ہو کذب اور خلاف حق اسمیں نہ ہو چنانچہ حضورؐ کا مزاح اسی قسم کا ہوتا تھا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے غرض کہ حضورؐ کا برتاؤ غربا کیساتھ یہ تھا آجکل بہت لوگ قومی ہمدردی کے مدعی ہیں مگر حالت یہ ہے کہ قوم سے انکو نہ مناسبت ہے نہ موالنست ہے بنگلوں میں آبادی سے باہر رہتے ہیں اور دو وقت گوشت بھنا ہوا اور چار اور بیضہ اور بسکٹ قسم قسم کی انکی غذا ہے اور انکے غریب بھائی شہر میں بھوکے ننگے پھرتے ہیں اور انکو خبر تک بھی نہیں اگر کسی کیلئے کچھ خیر خواہی وغیرہ کرتے بھی ہیں تو وہ امرا کیلئے سو اسکو قومی ہمدردی نہیں کہتے اسلئے کہ قوم نام ہے مجموعہ آحاد کا اور مجموعہ میں ہمیشہ غالب کا اعتبار ہوتا ہے اور اکثر افراد قوم میں غربا ہیں اُمرا تو بالکل اقل قلیل ہیں پس اس اعتبار سے قوم گویا غربا کا نام ہے پس قومی ہمدردی کے معنی یہ ہونگے کہ غربا کیساتھ ہمدردی کیجاوے سو وہ لوگ غربا کی کیا ہمدردی کرینگے جنکے یہاں غریبی و افلاس خود جرائم کی فہرست میں درج ہو البتہ قومی ہمدردی شریعت نے سکھلائی ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں ہے المسلمون کجسدٍ واحدٍ اذا اشتکی عضوٌ تداعیٰ له سائر الجسد او کما قال اسی حدیث کا ترجمہ شیخ علیہ الرحمہ نے کیا ہے ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

(تمام انسان ایک دوسرے کے اعضا ہیں کیونکہ پیدائش تو سب کی ایک ہی جوہر سے ہیں اگر گردش زمانہ سے ایک عضو میں درد ہونے لگتا ہے تو دوسرے اعضاء کو بھی چین نہیں پڑتا)

اور افلاس کو جرم تو جب قرار دیا جاوے کہ جب یہ ہمیشہ بے تدبیری کا نتیجہ ہو یہ تو محض منجانب اللہ ہے اللہ یبسط الرزق لمن یشآء من عبادہ ویقدر له (اللہ جس بندے کیلئے چاہتا ہے روزی بڑھا دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کرتا اور ناپ کر دیتا ہے) اور اسمیں حقتعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں چنانچہ جو لوگ افلاس اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں انکے لئے یہی حکمت الٰہی ہے اور جو غنی ہیں انکے لئے اسی میں حکمت ہے کوئی ایک دوسرے کو حقیر نہ جانے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حالت سے خوب واقف ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل کی ہے کہ بہت سے مسلمان ایسے ہیں کہ انکا ایمان افلاس سے ہی باقی ہے اگر اللہ تعالیٰ انکو غنی کر دیں تو وہ اسقدر طغیان اختیار کریں کہ کفر تک پہونچ جاویں اور بہت سے ایسے ہیں کہ انکا ایمان انکی غنا کیوجہ سے محفوظ ہے اگر انپر افلاس آجاوے تو کفر و الحاد میں مبتلا ہو جاویں بہت

سے مریض ایسے ہیں کہ انکا دین مرض کیوجہ سے سالم ہے اگر تندرست ہوجاویں تو دنیا میں لگ کر خدا تعالیٰ کو بھول جاویں اور بہت سے تندرست ایسے ہیں کہ انکا دین صحت کیوجہ سے ہے غرض جو جس حالت میں ہے اُسکے لئے وہی مصلحت اور پسندیدہ ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　　تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(دنیا میں جو بہت خاکسار معلوم ہوں انھیں حقیر نہ جانو تمھیں کیا خبر کہیں انھیں میں کوئی شہسوار نہ چھپا ہو)

غرض ہمدردی کا سبق آجکل بہت گایا جا رہا ہے لیکن فی الحقیقت سچی ہمدردی وہی کر سکتا ہے جو مطیع ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ آپکے برابر کسی نے ہمدردی کے اصول نہیں سکھلائے حتیٰ کہ آپنے جانوروں تک ساتھ ہمدردی کے احکام فرمائے ہیں اور سچے مطیعین نے اسپر عمل کیا ہے چنانچہ خود حضرت احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ اُنھوں نے دیکھا کہ ایک خارشتی کتا نہایت تکلیف میں ہے اور تمام بدن اسکا خارش سے مجروح ہوگیا اور ہر شخص اس سے نفرت کرتا ہے اور اُسکے ابنائے جنس بھی اسکو پاس آنے نہیں دیتے انکو اسپر رحم آیا اور اسکو گھر لائے اور اپنے ہاتھ سے دوا ملا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ تندرست ہوگیا۔ حضرت بایزید کو کسی نے بعد وفات کے خواب میں دیکھا پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا کہ میرے تمام اعمال میں سے یہ عمل پسند آیا کہ میں ایک روز چلا جاتا تھا اور جاڑے کا موسم تھا میں نے دیکھا کہ ایک بلی کا بچہ سردی میں اکڑ رہا ہے مجھکو رحم آیا اور اپنے لحاف میں اسکو لیکر سویا یہ عمل میرا پسند آیا اور حکم ہوا کہ اس عمل کیوجہ سے ہمنے تجھکو بخشدیا مجھکو اسوقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رح دہلوی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح کے والد ماجد قدس سرہٗ کی حکایت یاد آئی کہ ایک بار انھوں نے ایک کتے کا بچہ کیچڑ میں پڑا دیکھا سردی سے اسکا بُرا حال تھا کوئی حمام تھا وہاں لیجاکر اُسکو غسل دلایا اسکے ایک مدت بعد یہ اتفاق ہوا کہ وہ کہیں تشریف لیجا رہے تھے ایک چھوٹا راستہ ملا جسکو پک ڈنڈی اور بٹیہ کہا جاتا ہے اور وہ راستہ اسقدر تنگ تھا کہ تکلف سے ایک آدمی اسپر سے چل سکتا تھا اور دونوں طرف اُسکے کیچڑ اور نجاست تھی اور سامنے سے ایک کتا آگیا دونوں رک گئے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اے کتے تو نیچے اُتر تاکہ میں نکل جاؤں انکو مکشوف ہوا کہ کتے نے کہا کہ تعجب ہے آجکل کے درویشوں نے اختیار (اپنے کو ترجیح) کی عادت کرلی ہے اور پہلے بزرگوں کا طریقہ ایثار (دوسروں کو ترجیح) ہوتا تھا۔ آپنے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ میں مکلف ہوں اگر میں نجاست میں آلودہ ہوگیا تو بے دھوئے نماز کیسے پڑھونگا اور دھونے سے مشقت میں مبتلا ہونگا اور تو غیر مکلف ہے تو اگر نجس ہوگیا تو تیرا کچھ حرج نہیں سوکھ کر پھر ویسا ہی ہو جاویگا اُسنے کہا کہ حضرت سچ ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر آپ اُتر گئے اور نجاست ظاہری میں آلودہ ہوگئے تو یہ نجاست ایک لوٹے سے دھل جائیگی اور اگر میں نیچے اتر گیا اور تم پاک وصاف چلے گئے تو یاد رکھنا کہ تمھارے قلب میں وہ نجاست یعنی عجب و پندار پیدا ہوگا کہ وہ ہفت قلزم سے بھی نہ جائیگا اب آپ مختار ہیں۔ اس سے حضرت شاہ صاحب پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور

نیچے کو دبڑے اور کتا نکل گیا اسکے بعد الہام ہوا کہ اے عبدالرحیم تم کو معلوم ہوا کہ یہ کیا واقعہ ہے بات یہ ہے کہ اسکے ہمجنس پر تمنے ایک مرتبہ احسان کیا تھا ہمنے نہ چاہا کہ اسپر تمہارا احسان رہے اسکے بنی نوع سے اُسکے بدلہ میں اتنا بڑا علم دلا دیا سبحان اللہ بزرگوں کی کیا شان ہے اور کیسے کیسے معاملات انکو حق تعالیٰ کیجانب سے پیش آتے ہیں۔ صاحبو ہمدردی اسکا نام ہے جو ان حضرات میں تھی بدنام کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ انمیں سختی بہت ہے اور بڑے متعصب و متشدد ہیں۔ بات بات میں بگڑتے ہیں حضرت آپکو تعصب کے معنی ہی کی آجتک خبر نہیں ہے جو دین کیلئے جوش ہو وہ تعصب نہیں ہے اسکا نام حمیت اور غیرت ہے تعصب کہتے ہیں ناحق کی حمایت کرنیکو سو جو شخص انکو متعصب کہے وہ اول اس بات کو ثابت کرے کہ جس چیز پر انکو جوش آیا وہ ناحق تھی میں نے ایک روشن دماغ سے کہا کہ اگر کوئی کسی سے آکر کہے کہ ہمنے سنا ہے کہ آپکی اماں جان بازار میں بیٹھا کرتی تھیں تو وہ سنکر بگڑیگا یا نہیں اور اس شخص کے بے اختیار دھول رسید کریگا یا نہیں کہ نالائق ہماری اہانت کرتا ہے مجکو تو یہ امید نہیں کہ وہ نہایت نرمی سے دلائل سے اسکا جواب دیں تو میں آپسے پوچھتا ہوں کہ اسکو آپ کیا کہیں گے آیا یہ غیرت و حمیت کہلائے گی یا تعصب اسکو جسطرح ماں کیلئے جوش آیا اسی طرح جو دین کے شیدائی ہیں اور دین کی حرمت پر اپنی عزت و حرمت کو نثار کر چکے ہیں انکو دین کیلئے جوش ہوتا ہے انکے سامنے جب کوئی بددین ایسا کلمہ بکتا ہے جس سے دین پر دھبہ آوے خصوص جبکہ بدتہذیبی و تمسخر و طعن سے کہے تو انکو غیظ و غضب آجاتا ہے اور اگر نہ آوے تو وہ دیندار نہیں ہے بے غیرت ہے سو یہ تو اور بات ہوئی اسمیں رحمت و شفقت کے خلاف کیا بات ہوئی یہ حضرات تو اسدرجہ رحیم کریم ہوتے ہیں کہ جسکا کوئی حد و حساب نہیں ہے ایک بزرگ نے اپنے مرید سے کہا کہ اگر تم کو کوئی ستاوے تو نہ صبر کیجیو اور نہ بدلہ لیجیو بدلہ تو اسلئے نہ لینا جیسے تم کو تکلیف ہوئی ہے ایسی ہی تمہارے بھائی کو تکلیف ہوگی اور صبر اسلئے نکرنا کہ یہ صبر اُسپر پڑیگا اور پھر اسپر کوئی بلا آویگی یہ بھی گوارا نہونا چاہئے اُسنے پوچھا کہ پھر کیا کریں فرمایا کہ ذرا بھلا برا کہکر دل کا بخار نکال لیا کرو سبحان اللہ اصلی ہمدردی یہ ہے ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ انھوں نے بازار سے شکر خریدی اور خوب مضبوط کپڑے میں باندھلی کئی منزل پر گھر تھا گھر جاکر جو کھولا تو دیکھا کہ اسمیں ایک چیونٹی ہے پریشان ہوگئے پھر اسی جگہ تشریف لیگئے اور اس چیونٹی کو اسکے ٹھکانے پر چھوڑ آئے البتہ ترحم و ہمدردی میں بھی اعتدال واجب ہے پس گاؤکشی و گوسفند کشی خلاف ترحم و ہمدردی نہیں کیونکہ وہ امتثال ہے خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کا جو کہ مالک ہے تمام اشیاء کا) حق تعالیٰ نے اسکو ہمارے لئے حلال فرمایا ہے اسلئے ایسی ہمدردی کے ہم مامور نہیں ہیں۔ ایسی ہمدردی کریں گے تو معتوب ہونگے کیونکہ گائے بھینس بکری خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کیسامنے کوئی چیز نہیں ہے اگر ہم انکی رعایت کریں اور انکو ذبح نکریں تو خالق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا لازم آتا ہے مولانا نے اس مضمون کی ایک حکایت لکھی ہے کہ سلطان محمود نے ایک مرتبہ ایاز کی آزمائش کی ایک موتی نہایت بیش بہا تھا اس کی نسبت وزیر اعظم

سے کہا کہ اسکو توڑ ڈالو وزیر نے عرض کیا کہ حضور ایسا نادر موتی نایاب کہاں ملے گا پھر اور وزرا امراء سے کہا عرض کیسکی ہمت نہوئی۔ ایاز کا نمبر آیا ایاز سے کہا کہ ایاز یہ موتی توڑ ڈالو ایاز نے فوراً توڑ ڈالا پھر محمود نے عتاب کے لہجہ میں پوچھا یہ کیا حرکت کی کہا کہ حضور خطا ہوئی وزرا نے ایاز کو ملامت کی کہ تو نے ایسا موتی توڑ ڈالا ایاز نے کہا ہو تو فو تم نے تو شاہی حکم توڑا اور میں نے موتی جسکی حکم شاہی کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں وہ توڑا مولانا الٰہی بخش فرماتے ہیں ؎

نقض امرا نہ کسر دُرّ دشوار تر　　　لاجرم بستم با مرا و کمر

(موتی توڑنا کم مگر حکم توڑنا بڑا بھاری گناہ ہے اسلئے میں نے اُسکے حکم پورا کرنے پر کمر باندھلی ہے)

تو حضرت ہماری تو ہمت نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو فرماوے اذبحوا البقرہ اور ہم کہیں لاتذبحوا البقرہ۔ دوسرے اگر ہم رحم کھا کر گائے کو چھوڑ دیں تو یہ معنی ہونگے کہ ہم خدا سے زیادہ رحیم ہیں۔ حالانکہ صفات واجب تعالیٰ شانہ جملہ کامل اکمل ہیں اور صفات ممکنات سب اسکی ظل ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر یعنی زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کے سو سو دُرّے لگاؤ اور تم کو اُنپر اللہ کے دین کے بارہ میں (یعنی اس حکم کے اجرا میں) رحم نہ آجاوے اگر تم مومن ہو۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

(اگر دین کا بادشاہ خدا مجھے لالچ کرنے کا حکم دے تو اسکے بعد قناعت کے سر پہ خاک)

پس ہم کو تو حکم کا بندہ بننا چاہئیے جہاں جو حکم ہو وہاں اسی پر عمل کریں اور حقیقت میں ایسے موقع پر بے رحمی بھی نہیں ہے بلکہ انسان پر رحم کرنے کیلئے اسکے منع میں اسکے مصالح فوت ہوتے ہیں ادنیٰ کو انسان پر فدا کر دیا ہے اور خود اسکو جو ظاہراً تکلیف ہوتی ہے وہ موت طبعی کی تکلیف سے بہت کم ہے اور اس تقریر سے ذبح کا مسئلہ خوب حل ہوگیا۔ یہ تھی تحقیق ہمدردی کے مسئلہ کی جسکی مدعیان ہمدردی کو ہوا بھی نہیں لگی جو صورت آرائی میں مشغول رہکر غرباء کو انکی ظاہری لت خستہ شکستگی و بے سرو سامانی پر حقیر سمجھتے ہیں یہانتک بیان صورۃ کیمتعلق تھا اب مال کو لیجئے اسوقت اکثر نے مال کو بھی قبلہ و کعبہ بنالیا ہے حالانکہ مال کو سوچنا چاہئیے کہ مال قارون کے پاس کسقدر تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہ تھا اگر مال کا ہونا کوئی شرف ہوتا تو امر بالعکس ہوتا لیکن اب مال ہی کو کمال سمجھتے ہیں اور اسکے لئے دین بھی برباد کرتے ہیں۔ اب تو اسپر نظر ہے کہ جسطرح ہوسکے مال ہاتھ آنا چاہئیے خواہ جائز ہو یا ناجائز کسی پر ظلم ہو یا رحم ہو ایک شخص مدعی علم سود لیتے تھے اپر کسی نے اعتراض کیا کہ میاں تم سود لیتے ہو حالانکہ وہ حرام ہے تو وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میاں چپ ہو کسکا حلال کسکا حرام یہ وہ وقت ہے کہ مسلمانوں کو مال جسطرح ہاتھ لگے چھوڑنا نہ چاہئیے ہیں اُنسے اور جو صاحب

انکے ہم رنگ ہوں کہتا ہوں کہ جب آپکا یہ دعویٰ ہی کہ مال جسطرح ہاتھ آوے لیلو سو مال ڈکیتی اور چوری سے بھی ہاتھ آتا ہی یہ بھی شروع کر دو
احکام شرعیہ کو چھوڑا ہی احکام سلطنت کو بھی چھوڑ دو دیکھو پھر کیا ہوتا ہی تو اسکو سب مذہبین مستثنیٰ کرینگے تو انکے اقرار ہی سے یہ ثابت
ہوا کہ یہ عام مخصوص البعض ہی اور وہ بعض مستثنیٰ اور مخصوص ہیں جو کہ حکام کے خلاف ہوں افسوس صد افسوس کہ حاکم مجازی ظاہری کے
خلاف تو جیلخانہ کے خوف سے مستثنیٰ کیا جاوے اور حاکم حقیقی کی مخالفت پر دلیری کیجاوے اور اُسکے خلاف علم کو اُس کلیہ سے مستثنیٰ نکیا جاوے
بعض اہل حیلہ کہتے ہیں کہ ہمتو دنیا کیلئے کماتے ہیں اگر دنیا نہو گی تو دین کی بھی درستی نہوگی مگر یہ کہنا انکا اُسوقت صحیح ہوتا جبکہ ہم یہ دیکھتے
کہ دنیا کی ترقی کیساتھ وہ دین کی بھی ترقی کر رہے ہیں ہم تو روز روشن کیطرح یہ دیکھ رہے ہیں کہ جسقدر دنیا بڑھتی جاتی ہی اُسی قدر
دین میں کمی آتی جاتی ہی حضرات یہ دنیا کچھ کام نہ آویگی اور آخرت میں کام نہ آنا تو ظاہر ہی ہی ہم تو اسکا کام میں نہ آنا اور اُسکی
تحصیل پر حسرت ہونا یہاں ہی مشاہدہ کر رہے ہیں جب کوئی دنیا پرست مرنے لگے مرتے وقت پوچھنا چاہیئے کہ دنیا طلبی کے
بارہ میں اسوقت تمہاری کیا رائے ہی آیا تمہاری اب بھی وہی تحقیق ہی یا بدل گئی میں بقسم کہتا ہوں کہ وہ ضرور پہلی تحقیق سے
رجوع کرینگے کیونکہ جس بازار میں وہ اب جا رہے ہیں وہاں یہ سکہ نہیں چلتا جو انھوں نے عمر بھر جمع کیا ہی اور جو سکہ یہاں
چلتا ہی وہ انکے پاس ہی نہیں کیونکہ وہ اُسکے جمع کرنے کو عمر بھر بیسود بتایا کرتے تھے وہاں تو وہ سکہ چلتا ہی جو ظاہر میں تمکو کالا
معلوم ہوتا ہی اور واقع میں وہ خالص چاندی ہی اور جو جمع کیا ہی وہ بظاہر چاندی اور واقع میں وہ لوہا ہی مگر اسوقت آنکھیں
بند ہیں لیکن عنقریب آنکھ کھل جاویگی اور حقیقت نظر آجاوے گی ؎

فسوف ترى اذا انكشف الغبار ... افرس تحت رجلك ام حمار

(جب گرد بیٹھے گی تب پتہ چلے گا کہ تم گدھے پر سوار تھے یا گھوڑے پر)

اسوقت تو خواب کا سا قصہ ہو رہا ہی جب آنکھ کھلے گی اسوقت معلوم ہوگا کہ ہم سراسر خسارہ میں تھے ایک شخص کی حکایت ہی کہ وہ
ہمیشہ بستر پر پیشاب کر دیا کرتا تھا اُسکی بیوی نے کہا کہ کمبخت تجھکو کیا ہو گیا کہ ہر روز بستر پر پیشاب کر دیتا ہی اُسنے کہا کہ میں خواب
میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ مجھکو سیر کیلئے لیجاتا ہی اور جب مجھکو حاجت ہوتی ہی کسی جگہ پر بٹھا کر کہتا ہی کہ پیشاب کر لے میں پیشاب
کر دیتا ہوں بیوی نے کہا کہ شیطان تو جنات میں سے ہی اور جنکو بڑے تصرفات دیئے گئے ہیں اس سے کہنا کہ ہم فقر و فاقہ میں رہتے
ہیں ہمکو روپیہ کہیں سے لا دے اُسنے کہا بہت اچھا اب اگر خواب میں آیا تو ضرور کہونگا حسب معمول شیطان پھر خواب میں آیا اُسنے کہا
کہ کمبخت تو مجھکو ہمیشہ پریشان کرتا ہی اور ہم پریشانی میں مبتلا ہیں ہمکو کہیں سے روپیہ نہیں دلاتا شیطان نے کہا تو نے مجھ سے
پہلے سے نہ کہا روپیہ بہت غرض ایک جگہ لیگیا اور وہاں سے بہت سا روپیہ اسکو اُٹھوا دیا اور اس روپیہ کا اسقدر بار معلوم ہوا کہ
پاخانہ نکل گیا جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بستر پر پیشاب پاخانہ تو موجود ہی اور روپیہ کا پتہ بھی نہیں۔ یہ حکایت تو ہنسنے کی تھی
مگر اس سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہی وہ یہ ہی کہ اس عالم کی مثال بالکل خواب کی سی ہی اور جو طالبین دنیا ہیں انکی مثال اس خواب
دیکھنے والے کی ہی اور مال دنیا پاخانہ ہی اسوقت ہم خواب غفلت میں ہیں ہمکو خبر نہیں کہ ہم کیا جمع کر رہے ہیں جب آنکھ کھلیگی یعنی

موت آویگی اسوقت معلوم ہوگا کہ مال تو ندارد مگر پائخانہ یعنی گناہ موجود ہے اسوقت کہیں گے ارے ہمتو بڑے دھوکے میں تھے جس کو ہم موتی سمجھتے تھے یہ تو سب سنگریزے نکلے ؎

حال دنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ — گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل در وے بہ بست — گفت یا غولیست یا دیوے ست یا دیوانۂ

(دنیا کا حال میں نے ایک عقلمند سے پوچھا تو وہ بولا کہ یہ یا تو ایک خواب ہے یا ایک ہوا ہے یا محض کہانی ہے پھر میں نے کہا اچھا اس شخص کا حال بتاؤ جس نے دنیا میں دل لگالیا تو وہ بولا وہ ایک غول بیابانی ہے یا کوئی شیطان ہے یا پھر پاگل ہے)

بعض لوگ شبہ کیا کرتے ہیں کہ یہ علما اوروں کو تو ترک دنیا کی ترغیب دیتے ہیں اور خود مال دنیا جمع کرتے ہیں ہمتو جب جانتے کہ خود چھوڑ بیٹھتے اور اگر دنیا آتی تو رد کردیتے جواب یہ ہے کہ ہم مذمت اس دنیا کی کرتے ہیں جو سبب غفلت ہوجاوے اور اُن دنیا داروں کی مذمت کرتے ہیں جو دنیا میں ایسے منہمک ہیں کہ دین کو بھی برباد کردیتے ہیں اور جائز ناجائز کا بھی امتیاز نہیں کرتے جو اسکے مصداق ہیں ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد — کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

(اُس کمینے کا دل کبھی خوش نہو جس نے دنیا کیلئے دین کو برباد کردیا) اور جو دنیا بقدر ضرورت ہو یا ضرورت سے زائد ہو مگر غفلت میں نہ ڈالے وہ مذموم نہیں بلکہ بقدر ضروری کے تحصیل ضروری ہے ملا جامی جب پیر کی تلاش میں خواجہ عبید اللہ احرار کے یہاں پہونچے تو خواجہ صاحب کے یہاں بڑا ٹھاٹ تھا ہر طرح کی نعمتیں دنیا کی موجود تھیں۔ ملا جامی آکر بہت پچھتائے اور جوش میں خواجہ صاحب کے سامنے ہی بے اختیار منہ سے نکلا نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد۔ (جو دنیا کو پسند کرے وہ مرد نہیں) اور یہ کہکر بہت حسرت و افسوس کیساتھ کسی مسجد میں جا کر لیٹ رہے خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے اور ملا صاحب کسی قرضخواہ کے تقاضے سے سخت پریشان ہیں کہ ایکجانب سے حضرت خواجہ صاحب باتزک و احتشام تشریف لائے اور فرمایا کہ درویش کو کیوں پریشان کیا ہے جو خزانہ یہاں جمع کیا ہے اسمیں سے دلوادو اسکے بعد آنکھ کھل گئی اسوقت خواجہ صاحب اسی مسجد میں آ رہے تھے فوراً حاضر ہوکر پاؤں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ میری گستاخی معاف فرمادیجئے اُنھوں نے فرمایا کہ وہ مصرعہ آپنے کس طرح پڑھا انھوں نے عرض کیا حضرت وہ تو حماقت تھی خواجہ صاحب نے فرمایا نہیں ہم اُسکو سننا چاہتے ہیں۔ ملا جامی نے فرمایا کہ میرے منہ سے یہاں کے سامان کو دیکھکر یہ نکلا تھا کہ نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد۔ فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر ناتمام ہے اسکے ساتھ یہ مصرع اور ملادو کہ اگر دارد برائے دوست دارد (اگر دنیا پاس ہو تو خدا کیلئے ہونا چاہئے) خلاصہ یہ ہے کہ اگر مال دنیا بھی دین کیلئے ہو تو سبحان اللہ ایسا مال دنیا نہیں بلکہ وہ سب دین ہی مال کی مثال پانی کی ہے اور قلب کی مثال کشتی کی سی ہے اگر پانی کشتی کے اندر آگیا تو اسکو غرق کردیتا ہے اور اگر باہر ہے تو اسکے لئے امداد کا سبب بنجاتا ہے اسیطرح مال اگر قلب کے اندر ہو یعنی اسکی محبت قلب میں متمکن ہوجاوے تو وہ باعث ہلاکت ہے اور اگر باہر ہے تو کچھ مضر نہیں ؎ آب در کشتی ہلاک کشتی است ✤ آب اندر زیر کشتی پشتی است۔ مال را گر بہر دیں باشی حمول ✤ نعم مال صالح گفتہ رسول (پانی کشتی میں ہو تو کشتی کیلئے خطرہ ہے ہاں کشتی کے نیچے ہو تو اسکی مدد کرتا ہے۔ اگر مال کو دین کیلئے لادے رہو تو اسکو رسول نے فرمایا ہے کہ کیا اچھا مال ہے) غرضکہ قدر ضرورت مال تو بہت ضروری ہے ورنہ پریشانی ہوتی ہے اور پھر وہی حالت ہوتی ہے ؎ شب چو عقد نماز بربندم ✤ چہ خورد بامداد فرزندم۔ (رات کو جب نماز کی نیت باندھتا ہوں

تو دلمیں یہ خیال بسا رہتا ہی کہ ہاے کل صبح میرے بچے کھائیں گے کیا) ایک فارسی داں نے اس شعر کے معنی عجیب وغریب بیان کئے اور بعد سننے کے واقعی معلوم ہوتا ہی کہ ذوق لسانی کیموافق یہی معنی ہیں وہ یہ ہی کہ شب چو عقد نماز بر بندم + بجائے تکبیر تحریمہ میگویم چہ خورد الخ یعنی میری حالت پریشانی کی یہاں تک پہنچی ہی کہ ہر وقت اسیکا خیال رہتا ہے حتی کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے چنانچہ بجائے تکبیر تحریمہ کے یہی کہکر نیت باندھ لیتا ہوں کہ چہ خورد بامداد فرزندم یہ معنی اس شعر کے نہایت لطیف ہیں در اسمیں مبالغہ بھی بہت ہے غرضکہ ایسے مال کے طلب سے نہی نہیں ہے گفتگو اس مال میں ہے جو سبب غفلت کا ہو اور دوسرے غریب بھائیوں کی اہانت اور تحقیر کا ذریعہ ہو آگے فرماتے ہیں ولکن ینظر الی اعمالکم ونیاتکم یعنی اللہ تعالے تمہارے اعمال و نیات کو دیکھتے ہیں جبکہ ثابت ہوگیا کہ حق تعالی کی نظر اعمال اور نیت پر ہے اور صورت اور اموال پر نہیں تو صاحبو! اب اپنی نیت اور اعمال سنوارنیکی فکر کرو ماشاء اللہ بقدر ضرورت اس حدیث شریف کے پہلے ہر دو جزو کی تفصیل ہوگئی ہی اور باقی دو جزو کی تفصیل باقی ہی انشاء اللہ وہ پھر کسی وقت ہو جاوے گی۔ فقط

الاخلاص حصۂ دوم

(صُحبَۃُ الشَّیخِ وَالتَّصَوُّفُ)

این	متی	کم	کیف	ماذا	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنا ہوا	کھڑے ہوکر یا بیٹھکر	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۵ جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ	-	بیٹھ کر	اخلاص	مولوی عبداللہ صاحب گنگوہی	.	.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم اما بعد فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی اعمالکم ونیاتکم اس حدیث کے اوّل دو جزو کا بیان جمعہ گذشتہ کو بالتفصیل ہو چکا ہی اخیر کے دو جزو باقی ہیں حسب وعدہ آج ان کو بیان کرتا ہوں۔ اس حدیث کے اختیار کرنیکی وجہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہر زمانہ میں ابنائے زماں مختلف امراض میں مبتلا ہوتے ہیں اس زمانہ کے امراض میں سے ایک یہ بھی ہی کہ ہماری نظر ہمہ تن دنیا

پیسہ ہے (جسکو حضورؐ نے بعنوان صورۃ و مال تعبیر فرمایا) اور جو اصل چیز ہے جسپر مدار فلاح کا ہے یعنی دین (جسکو عمل اور نیت سے تعبیر فرمایا ہے) اُسپر بالکل نظر نہیں ہے۔ عوام دنیا دار تو اس مرض میں مبتلا ہیں ہی ہم دیکھتے ہیں کہ جو دیندار ہیں یعنی اپنے کو دیندار کہتے ہیں یہ مرض ان میں بھی موجود ہے دنیا دار کی جسقدر وقعت انکے نزدیک ہے اس قدر دیندار کی نہیں مثلاً انکے پاس ایک دنیا دار آوے اور ایک دیندار۔ اس دیندار کو نہ جاہ حاصل ہو اور نہ وہ شیخ اور بزرگ ہو نہ اُسکے پاس مال ہو نہ کوئی کمال اسکا مشہور ہو نہ وہ عالم اصطلاحی ہو بلکہ بقدر ضرورت دین کا علم بغیر پڑھے لکھے حاصل کر لیا ہو جیسا کہ اکثر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تھا چنانچہ حضور اقدس روحی فداہ وصلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں فرمایا ہے نَحْنُ اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ (ہم ایسی اُمت ہیں کہ ہم نہ لکھ سکتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں) کیونکہ پڑھنا لکھنا مقصود بالذات تو ہے ہی نہیں اور نہ حضورؐ کے وقت میں اسکی ضرورت تھی ہر صحابی کو نور فہم اور علم دین بے لکھے حاصل تھا بعد زمانہ خیریت نشانہ کے نہ تو وہ قوت حافظہ رہی اور نہ تدین عالم رہا اسوقت تدوین علوم کی اور بطرز خاص تدریس و تعلیم و تعلم کی حفاظت علوم کیلئے بھی اور غلط دعویٰ اور تلبیس کے قطع کرنے کیلئے بھی ضرورت واقع ہوئی۔ غرض فرض کیا جاوے کہ اس شخص کا علم غیر درسی ہو کہ جس سے کچھ وقعت ہوتی اور یہ شخص عفیف صالح متقی بھی ہے اور ظاہری حالت اسکی یہ ہے کہ صورت بھی اسکی بدنما ہو کپڑے بھی خستہ ہوں اور حسب و نسب اسکا اچھا نہو بلکہ ایسی قوم سے ہو جو ادنیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہو۔ غرض ظاہری امتیاز کچھ نہو اور دوسرا شخص دنیا دار ہو دین کا کوئی پہلو لئے ہوئے نہو نہ زہد ہو نہ تقویٰ نہ علم ہو اور نسب میں بھی بڑھا چڑھا ہوا اور یہ دونوں شخص یکے بعد دیگرے اُس مدعی دین کے پاس آدیں تو میں بقسم کہتا ہوں اور کسی کو کیا کہوں خود اپنے کو کہتا ہوں کہ جو قدر اور وقعت اور وجاہت نظر میں اس دنیا دار کی ہوگی اس دیندار کی نہوگی حق یہ ہے کہ نفوس میں عموماً دنیا کیطرف میلان ہے۔ ظاہری جاہ و مال کو دیکھا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ جاہ دین کیوجہ سے حاصل ہو بزرگوں میں سے بھی اسی بزرگ کی تعظیم کریں گے جسکی چار آدمی تعظیم کرتے ہوں۔ اسلئے کہ اسکی تعظیم و خدمت کرنے سے عار نہیں ہے یہ سخت کید خفی ہے ظاہراً تو یہ تعظیم و خدمت نہایت صلاح کے اوپر دال ہے لیکن راز اور کید نفس اسمیں یہ ہے کہ اُن بزرگ کی خدمت اور تعظیم اسلئے کرتے ہیں کہ اس فعل سے لوگوں کی نظر میں خود اپنے کو بڑائی حاصل ہوتی ہے پس ہماری یہ تعظیم اپنی تعظیم کیلئے ہے اسیواسطے اس خدمت اور تعظیم سے نفس خوش ہوتا ہے۔ کچھ شکستگی اسکو نہیں ہوتی۔

اپنے اساتذہ میں اگر دو شخص ہوں ایک مشہور اور ایک غیر مشہور تو ہم اپنے کو مشہور کیطرف نسبت کرتے ہیں غیر مشہور کیطرف نسبت کرتے ہوئے عار آتی ہے۔ اسیواسطے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ریا بہت آخر میں دل سے نکلتی ہے۔ ہاں اگر یہ اکرام دنیا کیلئے نہو دفع شر یا دلجوئی کیلئے ہو اور غریب کی تحقیر بھی نہو تو وہ مذموم نہیں حقیقت

یہ ہے کہ ہم لوگوں کی دینداری بس صورۃً اور ظاہراً ہے اور حقیقی دینداری بہت ہی کم ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں و قلیل من عبادی الشکور و اکثر لوگ رسم پرستی اسم پرستی ظاہر پرستی میں مبتلا ہیں اور یہ سب دنیا ہے اور دنیا کی نسبت ارشاد ہے لو کانت الدنیا تزن عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی منھا کافراً شربۃ ماءٍ یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔

حاصل یہ کہ خواہ حسب نسب کی وجہ سے قدر ہو یا علم کیوجہ سے ہو نہ من حیث العلم بلکہ اس حیثیت سے کہ علم سے بھی جاہ دنیوی حاصل ہوتا ہے یا مال کیوجہ سے ہو سب دنیا ہے اور اسی کو صور اور اعمال سے تعبیر فرمایا ہے اسکو نظر انداز کرنا چاہیئے اور دین جسکو اعمال اور نیات فرمایا اس پر نظر ہونا چاہیئے۔ حتیٰ کہ اگر دوسروں کی قدر کی جاوے تو دین ہی کیوجہ سے ہونا چاہیئے۔ اور اس مقام پر حضورؐ نے بجائے لفظ دین کے دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ایک عمل دوسری نیت اس میں اشارہ اسطرف ہے کہ دین کا مدار اعمال پر ہے۔ کسی اور شے پر مثلاً کسی دنیوی و دینی شرف کیطرف انتساب پر نہیں بہت لوگ آج کل مغرور ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہماری نجات ہو جاویگی۔ اعمال کی ہم کو ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کے رد میں فرماتے ہیں تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون جسکا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ گذر گئے اُن کیلئے انکے اعمال ہیں تمھارے لئے تمھارے اعمال ہیں تم سے اُن کے اعمال کی نسبت سوال نہ ہوگا۔ ہاں بزرگوں کے انتساب سے برکت البتہ حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ اعمال وعقائد کا ذخیرہ بھی اپنے پاس موجود ہو اور اگر اعمال نہوں اور نہ عقائد صحیح ہوں تو نری برکت کیا کام آوے گی۔ برکت کی مثال چٹنی اور مربے کی سی ہے اور اعمال کی مثال غذا کی سی ہے جو کہ جزو بدن ہوتی ہے۔ مربے اور چٹنی معین ہضم طعام ضرور ہیں لیکن غذا بھی ہونی چاہیئے اور اگر غذا نہو صرف مربے اور چٹنی مہمان کے سامنے رکھدیں اور روٹی وغیرہ کچھ نہو تو کیا اس سے کام چل سکتا ہے۔ پس اسیطرح انتساب الی الانبیاء و اولیاء باعث برکت فی الاعمال ہے نہ کہ نجات کیلئے انتساب ہی کافی ہو اسی لئے حضورؐ نے اپنی خاص بیٹی کو خطاب کر کے فرمایا یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار فانی لا اُغنی عنکِ من اللہ شیئاً یعنی اے فاطمہ اپنا نفس آگ سے بچاؤ میں اللہ کے مقابلہ میں تمھارے کچھ کام نہ آؤنگا یعنی اگر تمھارے پاس اعمال کا ذخیرہ نہو گا تو میں کچھ کام نہ آؤنگا اور اسکی نفی نہیں کہ اعمال کے ہوتے ہوئے بھی میں باعث ترقی درجات نہونگا یا شفاعت نہ کرونگا۔ بزرگوں کے تعلق نسبی کا باعث ترقی درجات ہونا خود منصوص ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التنٰھم من عملھم من شیٔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انکی اولاد نے انکا ایمان کے ساتھ اتباع کیا ہم اس اولاد کو بھی انکے ساتھ ملا دیں گے اور انکے عمل میں سے کچھ کمی

نہ کرینگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ اولاد کے اعمال اس درجہ کے نہوں جیسے کہ آباء کے تھے لیکن اگر اس اولاد نے ایمان کے ساتھ انکا اتباع کیا ہوگا تو ہم ان کو انکے آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے تو اس الحاق کا انکار نہیں ہو سکتا مگر اسکی کوئی دلیل نہیں کہ صرف یہ انتساب ہی الحاق کیلئے کافی ہے بلکہ اس آیت میں ایمان کو خود شرط فرمایا ہے اور ما التنا ہم من عملہم من شئی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری عمل بھی شرط ہے کیونکہ دفع دخل میں یہ فرمایا کہ ہم ان اسلاف کے عمل سے کچھ کم نہ کریں گے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل مدار درجات کا عمل ہے اور ظاہر ہے کہ اصل کا ہونا ضروری ہے اور یوں اضافہ خواہ غیر عمل سے ہو جاوے۔ پس خود آیت میں بھی دلالت ہوگئی کہ آبا کے مرتبہ میں ذریت اسوقت پہونچیگی جبکہ اعمال اور عقائد دونوں کا ضروری ذخیرہ جمع ہو۔ آجکل کے پیروں نے اپنی دکان جمانے کیلئے اور دنیا کمانے کیلئے اپنے مریدین کے دلوں میں یہ جما رکھا ہے کہ تم کو اعمال کی کچھ ضرورت نہیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ افسوس پیری مریدی کی غرض تو اصلاح نفس اور مجاہدہ نفس تھی کہ خود شاید عمل کی توفیق نہوتی پیر کے اثر یا تاکید سے عمل کی توفیق ہو جاوے گی اور نفس مہذب ہو جاویگا۔ اب لوگوں نے اس طریق کو تعطل (بیکاری) کا آلہ بنا رکھا ہے ایک ایسے پیر کی حکایت ہے کہ وہ ایک گاؤں میں گئے اور لاغر اور کمزور ہو رہے تھے مریدوں نے پوچھا کہ پیر جی دبلے کیوں ہو رہے ہو کہنے لگے ارے کمبختو تمہارے ہی وجہ سے تو دبلا ہو رہا ہوں اور تم کو خبر بھی نہیں تمام کام تمہاری طرف سے مجھے ہی کرنے پڑتے ہیں تم نماز نہیں پڑھتے تمہاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں تم روزے نہیں رکھتے میں روزے رکھتا ہوں پھر سب سے بڑھ کر یہ مصیبت کہ پلصراط پر جو کہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے اس پر چلتا ہوں۔

مرید بہت خوش ہوئے کہ پیر ہی سب کام ہماری طرف سے کر لیتے ہیں اور ایک مرید خوشی میں بولا کہ جا میں نے تجکو فلاں کھیت دھان کا دیا پیر بہت خوش ہوئے مگر یہ بھی سوچے کہ اس نے کھیت تو دیدیا لیکن قبضہ ہمارا اُس پر ہوا نہیں مبادا یہ زبانی ہی زبانی لین دین ہو مناسب یہ ہے کہ قبضہ کرلیں اور اسکو دیکھ لیں یہ سوچکر اس مرید سے فرمایا کہ چلکر دکھلا دے وہ ساتھ ہوا اور پیر صاحب تشریف لیچلے۔ چانول کے کھیت میں پانی زیادہ تھا اور مینڈ تنگ تھی ایک جگہ پیر صاحب پھسل پڑے۔ مرید نے ایک لات جڑی اور کہا کہ ارے تو پلصراط پر کیا چلتا ہوگا اتنے چوڑے رستہ میں تو تجھ سے چلا نہ گیا تو جھوٹا ہے جا ہم تجکو کھیت نہیں دیتے۔ آجکل کے پیروں نے خوب سمجھا دیا ہے کہ جو چاہو کرو سب بخشے جاؤ گے اس حدیث شریف میں اس زعم باطل کا رد ہے اسیواسطے بجائے لفظ دین کے لفظ اعمال فرمایا اور ہر چند کہ عمل میں نیت بھی آگئی تھی لیکن نیت کو علیحدہ اسلئے بیان فرمایا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ خود اعمال ہی جب معتبر ہیں جبکہ نیت درست ہو اور نیز ان دو لفظوں سے دو گروہوں کی اصلاح فرمائی لفظ اعمال سے تو غالب عوام کی کیونکہ عوام کو دنیا کے دھندوں میں شب و روز غلطاں پیچاں رہنے سے اکثر اعمال

کی طرف توجہ کم ہوتی ہے لیکن بدنیتی یعنی ریا وغیرہ سے اسلئے مبرا ہیں کہ اُن کو کوئی بزرگ نہیں سمجھتا اسلئے وہ اس کا قصد بھی نہیں کرتے اور لفظ نیات سے غالب خواص کی جو دیندار کہلاتے ہیں تمام شعائر اسلام کے پابند ہیں لیکن اخلاص سے خالی ہیں اسلئے اُن کی یہ دینداری محض صورتاً ہے۔ روح دین کی انکو حاصل نہیں ایسے لوگوں میں اکثر مرض ریا کا ہوتا ہے اُن کو لفظ نیت سے اخلاص کیطرف متوجہ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ نماز روزہ ذکر حج زکوٰۃ تم کرتے ہو اگرچہ نفس اعمال نفع سے خالی نہیں ہیں اور بہ نسبت اس شخص کے جو کچھ نہ کرے اس کا درجہ بدرجہا بڑھ کر ہے مگر جو اصل مقصود ہے یعنی رضا وہ جب ہی حاصل ہوگا جبکہ اخلاص بھی ہو اور اسکی ایسی مثال ہے کہ دو شخص کسی بادشاہ کے ہاں گئے ایک تو ہدیہ لیکر گیا اگرچہ وہ ہدیہ بادشاہ کے لائق نہو اور دوسرا بغیر ہدیہ کے گیا تو اگرچہ اس ہدیہ نہ لے جانے والے کی یہ شکایت تو نہوگی کہ ہدیہ کیوں نہ لایا جیسا اس دوسرے سے یہی بازپرس ہوگی اور اس اعتبار سے یہ اس سے غنیمت ہے مگر یہ شکایت ضرور ہوگی کہ تمھارا ہدیہ ہمارے لائق نہیں اور چونکہ مقصود ہدیہ سے ارضاء ہے اور اگر وہ حاصل نہوگا تو ہدیہ کالعدم ہوگا اسی طرح مقصود عبادت سے رضا ہے پس جس عبادت میں غرض مفاسد کی آمیزش ہو اور نیت درست نہ ہو تو ایسی عبادت کا بھی عدم و وجود برابر ہوگا سو ہم لوگ اعمال کرتے ہیں مگر ہمارے اغراض اکثر فاسد ہوتے ہیں چنانچہ اہل علم اہل زہد اپنی حالت کا موازنہ صحیح کرکے دیکھیں تو زیادہ حصہ اپنے اعمال میں اغراض نفسانیہ کا پائیں گے مثلاً عبادات نافلہ تلاوت قرآن و ذکر و نوافل تہجد اور جو اعمال اخفا کے قابل ہیں اُن کو کرکے ہمارا جی چاہتا ہے کہ انکا عام طور پر ظہور ہو جاوے اور لوگوں میں ہم عابد زاہد مشہور ہوں مثلاً تہجد میں اگر کوئی شب کو ایسے وقت اٹھا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور تہجد پڑھ کر سو رہا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسرے کو اطلاع ہو بڑا فرق ہوتا ہے اطلاع ہونے پر بڑی خوشی ہوتی ہے اور اگر اطلاع نہو تو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ظہور ہو جاوے اور اسکے متجسس رہتے ہیں کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کرتا اگر کسی نے ذکر نہ کیا تو نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بیکار ہی ہوا۔ اسی طرح تمام اعمال میں ہماری یہ حالت ہے۔

جاننا چاہئے کہ عمل نیک کے دیکھنے پر جو دل خوش ہوتا ہے اُس خوشی کی تین قسمیں ہیں ایک تو طبعاً جی خوش ہوتا ہے کہ الحمدللہ اس شخص نے ہم کو اچھی حالت میں دیکھا یہ خوش ہونا تو ایسا ہے جیسے لذیذ کھانا کھانے سے جی خوش ہوتا ہے طبیعت کا مقتضا ہے کہ اچھی شے سے خوشی ہوتی ہے۔ غرض یہ فرحت تو آثار طبعیہ میں سے ہے اس کے ازالہ اور رفع پر قدرت نہیں ایسے خوش ہونے میں کچھ ملامت نہیں اہل خلوص کو سخت غلطی واقع ہوتی ہے کہ اس فرحت میں اور ریا میں انکو امتیاز نہیں ہوتا اسلئے اہل خلوص کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے وہ رات دن اسی غم میں گھلتے ہیں کہ ہماری نماز کو جو فلاں شخص نے دیکھا اور ہمکو خوشی ہوئی یہ بھی ریا ہوگئی حالانکہ

یہ فرحت طبعی ہے ریا نہیں مگر یہ نہیں سمجھتے اور اپنی عبادت کو بیکار جانتے ہیں اور شب و روز اسی غم میں رہتے ہیں انجام ایسے اخلاص کا یہ ہوتا ہے کہ شیطان بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کارآمد نہیں ہے تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا بس یہ شخص مایوس ہو کر اس عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی عمل تو نہیں چھوڑتا لیکن اخلاص کے اندر سعی ترک کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ یہ مضرت ہوتی ہے کہ اپنے شیخ سے بدگمانی ہو جاتی ہے کبھی اُنکے کمال میں بدگمانی ہو جاتی ہے کہ میاں اگر یہ صاحب کمال ہوتے تو ہم کو اخلاص ضرور نصیب ہوتا اور کبھی توجہ میں بدگمانی ہوتی ہے کہ ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور یہ کفران نعمت ہے جو شخص تمہارا مربی اور مصلح ہوا اور اس کو ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہو۔ یہ خیالات تمہارے اگر اسکو معلوم ہو جاویں تو اسکا دل ضرور دکھے گا اور نتیجہ اسکا یہ ہوگا کہ نعمت تم سے سلب ہو جاویگی۔ یہ غلو فی الاخلاص ہے کہ ایک دولت حاصلہ کی نفی کر رہے ہو کسی درویش سے ایک ہاتھی سوار نے کہا کہ بابا دعا کرو کہ ترقی ہو۔ درویش نے کہا کہ بابا ہاتھی پر تو سوار ہے کیا پالکی پر سوار ہوگا۔ اسی طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص نصیب فرمایا ہے اسکا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ اسکا کفران کیا جاوے۔ غرض یہ فرحت طبعی ہے اسکو ریا سمجھنا غلطی ہے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ریا اعمال اختیاریہ میں سے ہے اور وسوسہ ریا غیر اختیاری پس وسوسۂ ریا ریا نہیں ہے جیسے کہ وسوسہ کفر کفر نہیں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وساوس آجاتے تھے۔ بس وسوسہ ریا سے ریاکار نہیں ہوتا ہے یہ بھی شیطان کی رہزنی کا ایک طریق ہے کہ ضروری مقصود سے دور کر کے اس دھندے میں لگا دیتا ہے۔ پس یہ ایک قاعدہ کلیہ نکل آیا کہ جو امر غیر اختیاری ہو وہ مذموم نہیں اور اس قاعدے کے ذہن نشین کر لینے سے بہت سے صعوبات جو سالک کو پیش آتے ہیں سب حل ہو جاتے ہیں عارف شیرازی اسی کو فرماتے ہیں ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست ۔۔۔ بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

(خدا کے راستہ میں صوفی کے سامنے جو حالت بے اختیار پیش آئے اسمیں اسکے لئے خیر ہی خیر ہے لے دل صراط مستقیم پر رہکر کوئی بھٹک سکتا ہی نہیں)

پیش آید کا مطلب یہی ہے کہ جو بلا اختیار پیش آوے وہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور فعل اختیاری تو پیش آوردہ ہوتا ہے اس پر البتہ مواخذہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ ایک قسم تو خوش ہونے کی یہ ہوئی اور دوسری قسم یہ ہے کہ دوسرے کے دیکھنے سے اسلئے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے اعمال نیک دیکھنے سے اس کو بھی توفیق ہوگی اور اسکا ثواب ہم کو بھی ملے گا۔ یہ خوشی بھی مذموم نہیں ہے۔ مگر یہاں مبتدی کو ایک دھوکہ ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس اظہار سے اصل مقصود تو نفس میں یہی ہوتا ہے کہ میری جاہ بڑھے اور لوگ مجھکو معظم سمجھیں مگر ذہن تراش یہ لیتا ہے کہ میں اسلئے اظہار کرتا ہوں کہ لوگ دیکھکر میرا اقتدا کریں لہذا مناسب مبتدی کے حال کے یہی ہے کہ اظہار کا قصد ہی نہ کرے۔ البتہ کوئی صاحب کمال ہو اور نفس اسکا فنا ہو چکا ہو اور وہ اظہار عمل کا اس نیت سے

کرے تو اسکو جائز ہے اور باعث ثواب ہے ۔ اسیواسطے بزرگونکا قول ہے ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید یعنی شیخ کا اظہار مرید کے اخلاص سے بہتر ہے ۔ یہاں ریا بمعنی لغوی ہے اصطلاحی نہیں مطلب یہ ہے کہ شیخ کا اظہار چونکہ موجب نفع متعدی ہے کہ دوسرے دیکھکر اقتدار کرتے ہیں اسلئے وہ مرید کے اخلاص سے کہ اس کا نفع اسی کی ذات تک ہے بہتر ہے پس اس مقصد سے اگر خوشی ہو تو یہ خوشی عبادت ہے ۔

تیسرے خوشی اظہار عبادت پر اس لئے ہوتی ہے کہ ہماری نیک نامی ہوگی اور لوگ ہمارے معتقد ہوں گے یہ ریا ہے اور مذموم ہے اور اس کے لئے سخت وعیدیں حدیث شریف میں آئی ہیں حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز شہید کو بلایا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ ہم نے تجکو فلاں فلاں نعمت دی تھی تو نے اسکا کیا شکر ادا کیا وہ عرض کریگا کہ اے رب میں نے آپ کی راہ میں جان تک دیدی ارشاد ہوگا کہ تو نے ہمارے واسطے نہیں کیا ۔ بلکہ محض اسلئے کہ شجاع مشہور ہو سو یہ غرض حاصل ہوگئی اب یہاں کیا لیتا ہے اور حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بھل الٹا گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دو چنانچہ وہ اسیطرح پھینک دیا جاویگا پھر اسی طرح ایک عالم اور ایک سخی سے گفتگو ہوگی اور ان دونوں کے عمل میں بھی یہی حب شہرت کا نقص نکالا جاویگا اور ان سب کو دوزخ میں ڈالدیا جاویگا ۔ دیکھئے یہ افضل الاعمال ہیں مگر ریا ایسی شے ہے کہ ان اعمال کو بھی اس نے بیکار کر دیا ایک عجیب بات سنئے کہ بعض اوقات آدمی خدا سے بھی ریا کرتا ہے آپ کو حیرت ہوگی کہ خدا سے ریا کیسے ہو سکتی ہے میں عرض کرتا ہوں کہ اسکی صورت یہ ہے اور بہت واقع ہوتی ہے کہ ایک آدمی کی عادت تھی کہ سب کے سامنے تو لمبی لمبی نمازیں پڑھتا تھا ۔ اور خلوت میں جلدی جلدی اس کے بعد اسکو شرم آئی کہ افسوس میں خلوت میں جلدی جلدی نمازیں پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ مجکو کیا کہیں گے اسلئے جلوت کی سی نماز پڑھنے لگا لیکن نہ اسوجہ سے کہ اصل مقصود خلوت کی تطویل ہے بلکہ اسوجہ سے کہ اصل مقصود جلوت کی تطویل اون ہی اغراض فاسدہ کیلئے ہے مگر خلوت کی تطویل اسلئے اختیار کی ہے کہ اس سے وہ تطویل جلوت مورد الزام نہ ہو پس اصل مقصود تو اسکا یہی ہے کہ مخلوق کے نزدیک میری قدر ہو مگر اللہ میاں کے الزام سے بچنے کے لئے تنہائی میں بھی وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھنے لگا یہ ہے ریا خدا تعالیٰ کے ساتھ اور بعض اوقات نیت اچھی نہیں ہوتی مگر فرضی نیت تصنیف کرتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریاکار نہ ہو مگر یہ نیت ایسی ہی ہے کہ ایک مسافر کا اسباب بندھا رکھا ہے ٹکٹ اسٹیشن سے لانے کو آدمی کو بھیج رکھا ہے اور کوئی صاحب اوس سے کہیں کہ تم امام بن کر پوری نماز پڑھا دو اور اس کے لئے قیام کی نیت کر لو غرض مبحث ریا کا طویل اور زوال اس کا قدرے عسیر ہے مگر یہ نہیں کہ اس مرض کا ازالہ نہ ہو سکے یقیناً ازالہ ہو سکتا ہے مگر معالجہ کرنے سے پس جو لوگ اسکے معالجہ

میں مصروف ہیں اور پھر بھی انکو شائبہ ریا کا پیش آجاتا ہے وہ بے فکر رہیں کیونکہ وہ جب واجب کو ادا کر رہے ہیں انکے ذمہ اُسی قدر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فاتقوا اللہ ما استطعتم یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر تم سے ہوسکے اور دوسرے مقام پر جو فرمایا ہے یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بظاہر اس میں اور آیہ سابقہ میں تعارض معلوم ہوتا ہے چنانچہ سلف سے بھی منقول ہے کہ یہ ناسخ و منسوخ ہیں یعنی اتقوا اللہ حق تقاتہ منسوخ ہے اور اتقوا اللہ ما استطعتم ناسخ ہے اور نسخ فرع ہے تعارض کی اس لئے سلف کے اس قول سے بھی تائید تعارض کی ہوئی سو حقیقت میں کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ اتقوا اللہ حق تقاتہ تو منتہائے سلوک ہے یعنی مقصود سلوک کا یہ ہے کہ حق تقویٰ حاصل ہو اور اتقوا اللہ ما استطعتم میں ابتداء سلوک کو بیان فرمایا ہے کہ اس میں شیئاً فشیئاً کوشش کی جاتی ہے۔ ان دونوں امروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی امر کرے کہ چھت پر چڑھو اور وہ گھبرا جاوے کہ میں کیسے جاؤں تو اسکو کہا جاویگا کہ زینہ پر بقدر استطاعت ایک ایک درجہ طے کر کے پہونچ جاؤ دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی امر کرے کہ علاج کر کے اپنا بخار دور کرو اور گھبرا جاوے کہ کیا کوئی دوا ایسی ہے کہ آج ہی بخار جاتا رہے تو اسکو کہا جاویگا کہ تھوڑی تھوڑی دوا پیا کرو بخار جاتا رہے گا اسی طرح مطلب حق تعالیٰ کا یہ ہے کہ بقدر استطاعت تقویٰ کرتے رہو یہانتک کہ حق تقویٰ حاصل ہوجاوے اور سلف نے جو اس میں نسخ کہا ہے تو وہ نسخ اصطلاحی نہیں ان کے عرف میں نسخ مطلق اختلاف کو کہتے ہیں ولو بالاجمال والتفصیل جیسا یہاں ہے غرض دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوگیا کہ کام میں لگنے والے اور معالجہ کرنے والے ہرگز نہ گھبراویں اونپر کوئی ملامت نہیں وہ فاتقوا اللہ ما استطعتم پر عمل کر رہے ہیں انشاء اللہ ایک روز انکو حق تقویٰ بھی حاصل ہوجائے گا ہاں جو معالجہ سے غافل ہیں اور مرض کو بڑھا رہے ہیں اُنپر البتہ ملامت ہے بہرحال ہم کو اپنی نیت کا خالص کرنا ضروری ہے تاکہ دین کی حقیقت ہم کو حاصل ہو اور آجکل اکثر لوگ اس خیال سے خالی ہیں حتیٰ کہ دینداروں تک کی یہ حالت ہے کہ اعمال خیر کے ارتکاب اور اعمال سوء کے اجتناب میں بھی وضع اور رسم و رواج کے پابند ہیں چنانچہ بعض اعمال کے پابند ہیں جیسے نماز اور جس کا ترک اُن کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے اس کے پابند ہیں جیسے نماز اور جس کا ترک خلاف شان نہیں سمجھا جاتا اسکے پابند نہیں جیسے حقوق العباد اسی طرح ہم لوگ غیبت تو کرتے ہیں مگر شراب نہیں پیتے۔ سو شراب نہ پینا اسلئے نہیں کہ حق جل مجدہٗ راضی ہوں ورنہ غیبت کو بھی ترک کرتے بلکہ اسلئے ہے کہ باپ دادا نے شراب نہیں پی یہ خلاف وضع ہے اور غیبت وہ بھی کرتے رہے اسلئے خلاف وضع نہیں۔ رشوت لیتے ہیں جوا نہیں کھیلتے تو وجہ یہی ہے کہ جوا بازاروں میں بیٹھ کر کھیلنا

بے حرمتی کا سبب ہے اور رشوت خاندانی رسم ہے وضع کے خلاف نہیں۔ باپ نے لی دادا نے لی اور اپنے تمام ہمعصر ہم چشم لیتے ہیں اسلئے اسکے لینے میں باک نہیں۔ بہت لوگ رہن کی آمدنی کھاتے ہیں اور عرفی سود نہیں لیتے وجہ یہ ہے کہ سود لینے والے کو ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور رہن کی آمدنی تو باپ دادا سے کھاتے چلے آئے ہیں وہ شان ریاست ہے بعض اعمال میں یہ ہے کہ جن کی ہمیں عادت ہے اور عرفاً وہ موجب ذلت بھی نہیں اور رسم و رواج کے بھی خلاف نہیں ہیں انکے پابند ہیں اور جن کی عادت نہیں ہے یا موجب استخفاف سمجھے جاتے ہیں انکے پابند نہیں ہیں۔ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (ایک کو مانتے ہو دوسرے کو نہیں) کے مصداق بن رہے ہیں اس پر دعویٰ ہے تقدس کا اور مدعی ہیں بزرگی کے صاحبو! یہ صورت دینداری کی تو ہے مگر حقیقت دینداری کی نہیں ہے۔ صاحبو بادام اور شے ہے اور بادام کا چھلکا اور شے ہے پستہ اور شے ہے اور پوست اور شے ہے اخروٹ اور شے ہے اور چھلکا اسکا اور شے ہے اسی طرح آدمی کی صورت اور شے ہے اور حقیقت اور ہے۔

گر بصورت آدمی انساں بدے ‌ ‌ احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

اینکہ می بینی خلاف آدم اند ‌ ‌ نیستند آدم غلاف آدم اند

(اگر صورت سے آدمی انسان ہوا کرتے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل (نعوذ باللہ) برابر ہوتے۔ یہ جو تمھیں نظر آتے ہیں آدمیوں کے مخالف ہیں تو یہ آدمی ہیں ہی نہیں یہ آدمیوں کا لفافہ ہیں)

ایسی ہی ہمارے اعمال کی حالت ہے کہ اعمال کی صورت ہے حقیقت نہیں ہے ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے ‌ ‌ حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(میاں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انکو کچھ حاصل ہے حالانکہ میاں کے پلے سوا غرور کے کچھ نہیں)

ان ہی اعمال پر نظر مقتصر کرکے ہر شخص بجائے خود سمجھ رہا ہے کہ مجھ میں کچھ ہے میں متقی ہوں ذاکر ہوں کوئی سمجھتا ہے کہ عالم ہوں حافظ ہوں اور اگر باطن کو دیکھا جائے تو یہ حالت ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پُر حلل ‌ ‌ ز اندروں قہر خدائے عز و جل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید ‌ ‌ وز درونت ننگ میدارد یزید

(باہر سے تو کپڑوں سے ایسا آراستہ جیسے کافر کی قبر اور اندر سے خدا کا قہر بھرا۔ باہر سے تو گویا بایزید بسطامی کو بھی طعنہ دینے کو تیار مگر تیرے دل کی یہ کیفیت کہ یزید بھی شرما جائے)

اصل یہ ہے کہ ہم لوگوں کو حس نہیں رہی اگر بصیرت ہو تو معلوم ہو کہ سب اعمال میں نفس کی پخیڑ لگی ہوئی ہوتی ہے واللہ العظیم ہم لوگوں کے اعمال وہ ہیں کہ قیامت کے روز اگر ہمارے جوتیاں نہ لگیں تو غنیمت ہے۔

کس کا تقرب اور کیسے درجے نیتیں تو بزرگوں کی ہوتی تھیں چنانچہ حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ انکو ایک شخص نے کچھ نذر کی آپ نے کچھ عذر فرمایا اسلئے کہ اسمیں کچھ شبہ تھا اگرچہ فتویٰ کی رو سے وہ شے جائز تھی مگر تقویٰ کے اعتبار سے اُس کا لینا درست نہ تھا اور حکم شرعی یہ ہے کہ اگر تقویٰ کے اس خاص درجہ پر عمل کرنے سے دوسرے کی دلشکنی ہو تو فتویٰ پر عمل کرنا چاہیئے ایسے موقع پر تقویٰ کی حفاظت جائز نہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی بڑی مقدار میں ملے مثلاً پانچسو روپیہ اور مشتبہ تو کیا مشتبہ سے بھی آگے اور بڑھکر ہو تو تاویل کر کرا کر اسکو جائز کرلیں گے اور اگر کوئی ایک روپیہ دے تو سارا تقویٰ اسمیں چلا دیں گے۔ القصہ حضرت حاتم نے اول انکار کیا جب اُس نے اصرار کیا تو لے لیا بخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر ہمارے منہ سے ایک مرتبہ نہ نکل جاوے تو ہرگز نہ لیں گے کیونکہ اب لینا اپنی آن کیخلاف ہے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے اول انکار کیوں کیا اور دوبارہ کیوں لے لیا فرمایا کہ اول اسلئے انکار کیا کہ اس کا لینا تقویٰ کے خلاف تھا اور جب اُسنے اصرار کیا تو خیال کیا کہ نہ لینے میں تو میری عزت اور اسکی ذلت ہے اور لے لینے میں میری ذلت اور اسکی عزت ہے میں نے اسکی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی یعنی میرے نہ لینے سے میری بات تو بنی رہتی مگر میرے بھائی کی وجاہت اور آبرو میں فرق آتا اور لینے میں میری شان کو دھبہ لگتا ہے لیکن اُسکی بات بنتی ہے پس میں نے اپنی عزت اور آبرو کو لات ماری اور اپنے بھائی کی بات کو اونچا رکھا سبحان اللہ نیت یہ ہے اور حقیقت دین یہ ہے اور ہمارے اندر تو صورت ظاہری بھی کامل نہیں ہے اور حقیقت تو کہاں تھی اور یہ حال تو ہمارے آجکل کے دینداروں کا ہے کہ انکی نیتیں خالص نہیں پھر عوام کا تو کیا ذکر ہے بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ عوام الناس کی نیتیں اکثر اعمال میں بہ نسبت خواص کے اچھی ہوتی ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ اعمال صالحہ سے مثلاً لمبی لمبی نماز پڑھنے سے اور ذکر و شغل اور وظائف وغیرہ سے جو جاہ بڑھتی ہے وہ خواص کی ہی بڑھتی ہے اسلئے وہی محل ریا بن سکتے ہیں اور عوام بیچاروں کو کون پوچھتا ہے اگر کسی گمنام عامی نے لمبی نماز پڑھی تب اور مختصر پڑھی تب ہر صورت میں کوئی بھی التفات نہیں کرتا ہاں عوام میں ایک کمی ہے وہ یہ کہ عمل کیوقت اکثر خالی الذہن ہوتے ہیں اس عمل کی نہ کوئی غایت مذمومہ انکے ذہن میں ہوتی ہے اور نہ غایت محمودہ مگر عادت سے اور اجمالاً اس اعتقاد سے کہ خدا کا حکم ہے پڑھ لیتے ہیں مگر یہ خلو عن الغایۃ المحمودۃ والمذمومہ بھی اخلاص ہی میں داخل ہے اس مقام پر اسیوقت ایک تحقیق ذہن میں آئی وہ یہ ہے کہ اخلاص نیت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کسی نیک عمل کے کرنے کے وقت اس امر کا بھی تصور و قصد ہو کہ یہ عمل حق تعالیٰ کی رضا کیواسطے ہے اب دیکھنا چاہئے کہ اس معنی کے اعتبار سے اخلاص کا وجود کہیں متحقق ہے کہ نہیں ہم غور کرکے جو دیکھتے ہیں تو اس معنی کے اعتبار سے عوام میں تو کیا خواص میں بھی اخلاص نہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں اور کبھی

عمل سے پہلے خصوصیت کے ساتھ ابتغاء مرضاۃ حق کا تصور تک بھی نہیں ہوتا ہے چنانچہ ابھی سب نے نماز جمعہ کی پڑھی ہے کسی کے دل میں بھی تصور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا نہیں ہوا ہوگا۔ غایۃ ما فی الباب گاہ گاہ نیک عمل کرتے وقت اسکا تصور ہو جاتا ہے کہ یہ ایک نیک کام ہے پس اگر نیت کے معنی یہی ہیں کہ قصد کرنا رضائے حق کا تو اس معنی کر تو کسی کی نیت بھی خالص نہیں اور دنیا میں کوئی بھی مخلص نہیں کیونکہ اکثر اوقات اسکا بلکہ کسی اور غایت کا بھی مطلق تصور نہیں آتا اور اسی بنا پر یہ جو عقلی مسئلہ مشہور ہے کہ افعال اختیاریہ کا صدور مسبوق بتصور الغایۃ ہوتا ہے مجکو اس مسئلہ میں ایک شبہ ہے کیونکہ اکثر مواقع پر کوئی غایت بھی ذہن میں نہیں ہوتی۔ تنویر اسکی یہ ہے کہ ہم سے بہت سے افعال میں اگر بمجرد صدور کوئی دریافت کرے کہ یہ فعل کیا فائدہ سمجھ کر کیا ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ کیا فائدہ بیان کریں ہاں کچھ دیر کے بعد گھڑ گھڑ کر کوئی وجہ بیان کر دیں وہ اور بات ہے ہاں اگر غایت پہلے سے سوچ لیتے ہیں تو بمجرد سوال اسکو بیان کر دیتے ہیں مثلاً ہم کسی کو کسی امر پر زدوکوب کریں اور بعد اس ضرب کے کوئی ہم سے وجہ پوچھے تو فوراً بتلا دیں گے کہ اس وجہ سے مارا تو وجہ یہ ہے کہ پہلے سے اس غایت کا قصد ہو گیا تھا اور اگر دو وقت کے کھانا کھانے کے بعد فوراً اسکا جواب لینا چاہیں کہ تم نے کھانا اسوقت کیا فائدہ سوچکر کھایا تو کوئی معقول وجہ بے سوچے نہیں بتلا سکتے کیونکہ پہلے سے تصور نہ تھا اسلئے نہیں بتلا سکتے۔ اسلئے یہ قاعدہ ابتک سمجھ میں نہیں آیا ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ اجمال کے درجہ میں غایۃ کا تصور ہوتا ہے تو خیر مگر علم تفصیلی تو ہرگز نہیں ہوتا پس نیت کے اگر یہ معنی لئے جاوینگے تو تمام ہی مسلمانوں کے اعمال بیکار ٹھہرینگے۔ اب نیت کے معنی میں عرض کرتا ہوں نیت کے معنی ہیں ارادہ کے یعنی وہ فعل اختیاراً اور قصداً ہوا ہو مثلاً وضو کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ ارادہ کرکے وضو کرے اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حوض میں یا نہر میں غوطہ لگاوے اور اسکے ضمن میں وضو بھی ہو جاتا ہے اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ وضو نہیں ہوتا اسلئے کہ انکے نزدیک نیت ضروری ہے اسلئے خود معلوم ہوتا ہے کہ نیت کے معنی ارادہ کے ہیں۔ دوسری مثال لیجئے اگر کوئی شخص بلا ارادہ صلوٰۃ اٹھک بیٹھک کرتا رہے اگرچہ تمام ارکان صلاتیہ ادا کرے مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی اسلئے کہ بلا نیت یہ صلوٰۃ ہے پس ان تمام جزئیات سے معلوم ہوا کہ نیت کے معنی ارادہ کے ہیں پس نیک عمل میں نیت تین طرح کی ہو سکتی ہے ایک یہ کہ وہ فعل قصداً اور اختیاراً کیا جاوے لیکن اسمیں نہ غایت محمودہ کا تصور ہو نہ غایۃ مذمومہ کا دوسرے یہ کہ غایۃ محمودہ کا قصد ہو مثلاً یہ کہ میں نماز اسلئے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایۃ مذمومہ کا ارادہ ہو مثلاً نماز اسلئے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے پس ان تینوں صورتوں میں سے ریا مذموم اخیر کی صورت ہے، اور صورت اولیٰ و ثانیہ اخلاص میں داخل ہے۔ اسلئے کہ ریا یہ ہے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بننے کیلئے کوئی فعل کرے سو اسکے ارتفاع کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی غایۃ مقصود نہ ہو ہاں محرک اسکا امتثال ہو گو اس امتثال کی کوئی غایت تصور میں نہ آوے اور ایک یہ کہ مقصود ہو اور محمود ہو مقید کا ارتفاع

تعمیل

کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ قید نہو دوسری خاص قید سے مقید ہو اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ دوسری قید بھی نہو البتہ صورۃ اولی اخلاص کا ادنی درجہ ہے اور صورۃ ثانیہ اعلی درجہ۔

غرض یہ کہ یہ جو سمجھتے ہیں کہ اگر کسی خاص غایت کی نیت نہو تو اخلاص نہیں یہ غلط ہے پس نیت کے معنی واضح ہو جانے سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ خوش نیت اور مخلصین سے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی۔ شاید میری ابتدائی تقریر اور اخیر تقریر میں کوئی تعارض سمجھے کہ اول میں تو شکایت تھی کہ اخلاص مفقود ہو گیا ہے اور فساد نیت میں عوام و خواص سب مبتلا ہیں اور آخر میں ثابت ہوا کہ ابتلاء عام نہیں ہے بلکہ مخلصین بھی بہت ہیں تو ظاہر نظر میں یہ شبہہ ہوتا ہے ورنہ واقع میں کچھ تعارض ہی نہیں اسلئے کہ میری تقریر کا حاصل دو امر کا اہتمام ہے اول یہ کہ جن لوگوں کے اعمال میں غایتہ مذمومہ پائی جاتی ہے مثلاً جاہ وحب مال و ارضاء خلق ان کو متنبہ کرنا مقصود ہے دوسرا امر یہ ہے کہ جن کے اندر امراض موجود ہیں اور انھوں نے معالجہ شروع نہیں کیا اور نہ معالجہ کی فکر ہے ان کو معالجہ کیطرف توجہ دلانا ہے اور جنھیں غایات مذمومہ نہیں یا ہیں مگر انھوں نے معالجہ شروع کر دیا ہے اگرچہ انکے اندر امراض بھی ہیں اُن پر ملامت نہیں ہے کیونکہ انھوں نے فاتقوا اللہ ما استطعتم پر عمل شروع کر دیا ہے اور کثرت سے وہ لوگ پائے جاتے ہیں جن میں غایت مذمومہ موجود ہے اور معالجہ کی فکر نہیں کرتے پس مراد ابتدائی تقریر سے یہ ہے کہ بکثرت مبتلا ہو کر بھی بے فکر ہیں اور آخر تقریر سے مقصود یہ ہے کہ اخلاص کے ادنی درجہ سے بھی نفی اخلاصیت کی نہ کرنی چاہئے۔ باقی جنھوں نے اپنے کو کسی معالج کے سپرد کر دیا ہے انکو پریشان نہ ہونا چاہئے اُن کو یہ کہا جاتا ہے ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست　　　سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

(نا امیدی اور مایوسی کا راستہ چلو کیوں؟ امید بہت کچھ ہے۔ اندھیرے کیطرف نہ جاؤ دھوپ بھی تو نکلی ہے ادھر جاؤ)

وہ جب لگے ہیں تو انشاء اللہ تعالی پہونچ جاویں گے۔ اور ؎

اندریں رہ می تراش و میخراش　　　تا دم آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ تصوف میں بس کاٹ چھانٹ ریاضت مجاہدہ کرتے رہو اور مرتے دم تک بے فکر نہ ہو جاؤ)

البتہ معالجہ کیلئے دو شرطیں ہیں اول شرط یہ ہے کہ علم دین ہوتا کہ اعمال یا اغراض کا محمود و مذموم ہونا معلوم ہو سکے اور ہر کام میں یہ سمجھ سکے کہ اسمیں میرا کیا قصد ہے آیا مذموم یا محمود ہے پھر عمل سے پہلے مراقبہ و محاسبہ کرتا رہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے کو کسی طبیب حاذق (مرشد کامل) کے سپرد کر دے اور اپنے حال کی اسکو وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا ہے اور اسکی رائے کا اتباع کرے جو کچھ وہ تجویز کرے خواہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے انقیاد کرے۔ بعض دفعہ شیخ یہ تجویز کرتا ہے کہ تم تمام رات سویا کرو اور آدھ گھنٹہ جاگا کرو یا یہ کہ تلاوۃ قرآن اور نوافل چھوڑ دو۔ تو بظاہر تو یہ ارشاد شیخ کا

سمجھ میں نہیں آتا لیکن اتباع اسکا ضروری ہے اسلئے کہ ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید　　که سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

(اگر تمہیں پیر مغاں حکم دے دیں کہ یہ اپنی جانماز شراب میں ڈبودو تو ایسا ہی کر گزرو کیونکہ صوفی کامل راستے کے تمام حالات سے خوب واقف ہوتا ہے)

اس شعر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ شیخ کے حکم سے شراب اسقدر پیو کہ سجادہ بھی آلودہ ہو جائے اسلئے کہ ہر جگہ ترجمہ حقیقی ہی نہیں مراد ہوا کرتا جیسا کہ کسی کی حکایت ہے کہ ایک مقام پر دو شخصوں کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی اور آپس میں مار پیٹائی کی نوبت آگئی ان میں سے ایک کا کوئی دوست وہاں آنکلا اُسنے آکر اپنے دوست کے دونوں ہاتھ زور سے پکڑ لیئے اب وہ کچھ نہ کر سکا مقابل نے اسکو خوب فراغت سے مارا کوٹا لوگوں نے پوچھا کہ میاں تم نے یہ کیا حرکت کی تو وہ کہتا ہے کہ مینے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے قول پر عمل کیا ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست　　در پریشاں حالی و درماندگی

(دوست اُسے سمجھو جو دوست کی پریشانی اور تکلیف میں ہاتھ پکڑے) اس سے زیادہ پریشانی کی حالت کیا ہوگی اسلئے میں نے اس حالت میں اسکے ہاتھ پکڑ لئے تو اس جاہل نے گیرد دست دوست کے حقیقی معنی لئے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہاں حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ دست گرفتن سے اعانت کردن مراد ہے اسیطرح آجکل چونکہ اصطلاحات سے واقفیت نہیں ہے اسلئے حافظ صاحبؒ کے اشعار کو اکثر لوگ غلط سمجھتے ہیں اور مے اور رندی وغیرہ سے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں حالانکہ اس شعر کے اندر ہی اگر غور کیا جاوے تو خود اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب خلاف شرع امر کا حکم نہیں فرماتے اسلئے کہ آگے فرماتے ہیں کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا جبکہ وہ سالک طریق ہے تو خلاف شریعت کیسے بتائے گا۔

خلاصہ مطلب شعر کا یہ ہے کہ تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب دوسرا سلوک۔ جذب یہ ہے کہ طالب پر ذکر و فکر کے ذریعہ سے غلبہ محبت کا کیا جاوے اور اعمال زاہدہ میں کم لگایا جاوے اور اس طریق محبت کے ذریعہ سے اسکو مقصود تک پہونچایا جاوے۔ دوسرا طریق سلوک ہے، وہ یہ ہے کہ تلاوۃ قرآن اور نوافل وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جاوے پس مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طریق سلوک کو اپنی استعداد کے مناسب سمجھ کر پسند کرے اور شیخ اس کے لئے جذب کو پسند کرے تو اسکو خطاب کر رہے ہیں مے سجادہ الخ مے سے مراد عشق و محبت ہے یعنی اے طالب تو اپنی رائے کو دخل مت دے بلکہ شیخ نے جو تیرے لئے طریق محبت کو تجویز کیا ہے اُسی کو اختیار کر دوسری جگہ حافظ صاحب فرماتے ہیں

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست　　کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(اپنی فکر اور اپنی رائے پر اعتماد اور اسکی نمائش تو رندوں کے یہاں ہے ہی نہیں۔ اس مذہب میں یہ خود بینی اور خود نمائی کفر ہے کفر)

پس اتباع شیخ کے ساتھ اعتماد بھی ہونا ضروری ہے اس زمانہ میں اعتماد بہت کم رہ گیا ہے شیخ کی بعض سرسری تجویز پر یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کو ہمارے حال پر توجہ نہیں ہے یا ہماری طفل تسلی کر دیتے ہیں سو خوب سمجھ لو کہ جس مریض کو طبیب پر اور طبیب کے نسخہ پر بھروسہ نہو اسکو کبھی شفا نہو گی طبیب پر بھروسہ ہونا چاہیئے اور شفا میں تاخیر ہونے سے

گھبراوے نہیں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور شفا ہوگی مگر یہ ضروری نہیں کہ جب مریض نے شفا کی نیت کی ہو جب ہی ہو جاوے معالجہ باطن کی حالت بالکل معالجہ ظاہری کی سی ہے جس طرح طبیب نہایت آہستہ رفتار سے حسب استعداد مریض معالجہ کرتا ہے اور ادویہ مناسبہ وقتاً فوقتاً بدلتا ہے۔ اسی طرح بعینہٖ مرشد کامل طالبین کی تربیت کرتا ہے اور عروق میں سے مرض کو نکالتا ہے طالب کو چاہیئے کہ پریشان نہ ہو اور نہ شیخ سے بد اعتقاد ہو شیخ گویا زبان حال سے کہتا ہے ؎

من غم تو می خورم تو غم مخور　　بر تو من مشفق ترم از صد پدر

(میں تمہاری فکر کر رہا ہوں تم پریشان مت ہو۔ میں تم پر سو باپ سے زیادہ مہربان ہوں)

حاصل یہ ہے کہ شیخ کا اتباع اور انقیاد کرتا رہے اور اپنی رائے اور تدبیر پر نہ چلے کام میں لگا رہے تو انشاء اللہ ایک دن کامیاب ہوگا۔ ایک شخص میرے پاس اپنی حالت لکھا کرتے تھے اور پریشانی اپنی ظاہر کرتے تھے میں برابر اُن کی تسلی کرتا تھا کہ آپ پریشان نہوں آپ کی حالت بہت اچھی ہے جب کسی بات سے تسلی نہ ہوئی آخر میں نے لکھا کہ ہم کو تمہاری تسلی کی ضرورت نہیں ہم کو تمہاری حالت سے اطمینان اور تسلی ہے اس لکھنے سے ان کی تسلی ہوگئی۔ حاصل یہ کہ اتنی بے فکری بھی بری ہے کہ علاج ہی نہ کرے اور اس قدر فکر بھی مضر ہے کہ باوجود طبیب کے سپرد کر دینے کے بھی کسی وقت فکر سے خالی نہ ہو۔ جب طبیب کے سپرد کر دیا اب بے فکر ہو جانا چاہیئے۔ بس صرف اسکی اتباع کی فکر رکھے اور منتظر رہے انشاء اللہ ایک وہ دن ہوگا کہ ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور　　کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

(یوسف جو کھو گیا ہے گھبراؤ مت وہ کنعان میں پھر واپس آجائے گا اور تمہارا رنج و غم سے بھرا ہوا مکان ایک دن باغ بنکر رہیگا)

الحمد للہ حدیث شریف کے تمام اجزا کی بقدر ضرورت تفصیل ہوگئی ہے۔ حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔ فقط۔